اذانِ خطبہ کہاں ہو؟

مولانا حافظ عبد الحق رضوی

بحکم فقیہ اعظم ہند شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی
قادری مدظلہ
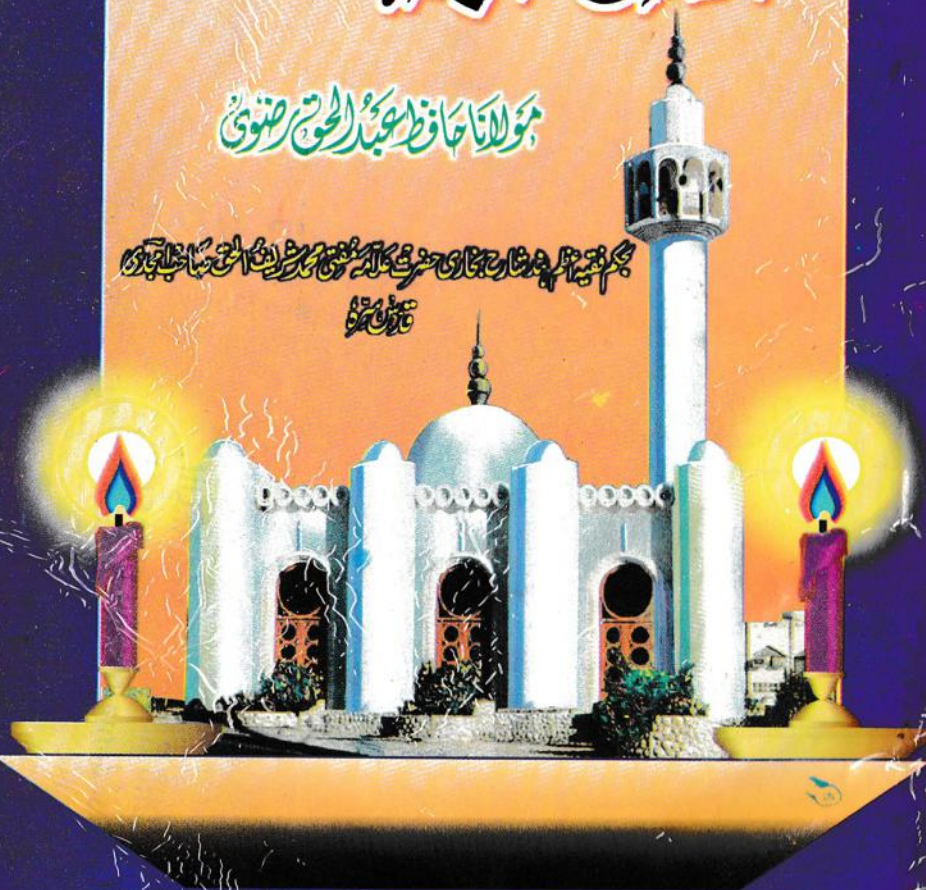
دائرۃ البرکات
کریم الدین پور، برکات نگر، قصبہ گھوسی ضلع مئو۔ یوپی

اذانِ خطبہ

کہاں ہو؟

از

جناب مولانا حافظ عبدالحق خانصاحب رضوی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڈھ

حسبِ ارشاد

فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی
دامت فیوضہم
صدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور

ناشر
دائرۃ البرکات، کریم الدین پور، گھوسی، ضلع مئو ۲۷۵۳۰۴

نام کتاب ـــــــ اذانِ خطبہ کہاں ہو؟
مصنف ـــــــ جناب مولانا حافظ عبدالحق خاں رضوی
کاتب ـــــــ ظفرالاسلام ادروی، قادری
صفحات ـــــــ ۱۲۴
بارچہارم ـــــــ گیارہ سو - ۱۱۰۰
مطبع ـــــــ
ناشر ـــــــ دائرۃ البرکات، گھوسی، ضلع مئو

ملنے کے پتے

(۱) المجمع الاسلامی ـــ مبارکپور ـــ اعظم گڈھ،
(۲) حق اکیڈمی ـــ مبارکپور ـــ اعظم گڈھ،
(۳) المجمع المصباحی مبارکپور اعظم گڈھ
(۴) رضوی کتاب گھر مٹیا محل جامع دہلی ۶
(۵) فاروقیہ بکڈپو مٹیا محل جامع دہلی ۶
(۶) مکتبہ جامِ نور مٹیا محل جامع دہلی ۶
(۷) مکتبہ نعیمیہ مٹیا محل جامع دہلی ۶
(۸) مکتبہ نور نوراللہ روڈ الہ آباد
(۹) دائرۃ البرکات کریم الدین پور گھوسی ضلع مئو ۲۷۵۳۰۴
(۱۰) کتب خانہ امجدیہ پکے بازار بستی
(۱۱) قادری کتاب گھر اسلامیہ مارکیٹ نومحلہ بریلی
(۱۲) قادری بکڈپو ـــ مسجد نومحلہ ـــ بریلی
(۱۳) مولانا حافظ عبدالحق رضوی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڈھ ۲۷۶۴۰۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومسلماً

کوئی صاحب اصغر علی حبیبی منگلا باغ ضلع کٹک اڑیسہ کے باشندے ہیں۔ انہوں نے ۱۹ر صفر ۱۴۰۸ھ کو ایک استفتاء اذانِ خطبہ کے سلسلہ میں پھلواری بھیجا تھا وہاں سے یہ جواب آیا۔

جمعہ کی اذانِ ثانی جو خطبہ کے قبل ہوتی ہے وہ داخل مسجد اور منبر کے سامنے ہونی چاہئے۔ یہی سنت خلفاء ہے اور اسی پر عمل امت ہے۔ مسجد کے باہر کراہت سے خالی نہیں"۔۔۔۔۔

پھر پھلواری کا یہ سوال و جواب یہاں دارالافتا میں آیا، جس کا جواب سیدی وسندی استاذی فقیہ ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ، صدر مفتی صاحب نے یہ دیا۔۔۔۔۔

کہ، دیگر اذانوں کی طرح جمعے کے خطبے کی اذان مسجد کے اندر خصوصاً منبر کے متصل خطیب کے سر پر دینا خلافِ سنت، بدعت و مکروہ ہے"

ان دونوں فتوؤں کی اصل نقل آگے آرہی ہے۔ پھر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ پھلواری بھیجا گیا، جس پر فل اسکیپ سائز کے ۹ صفحات پر حضرت مفتی صاحب کے فتویٰ کے رَد میں ایک مضمون لکھا گیا۔ جن صاحب کا اصل فتویٰ اور اس تحریر پر دستخط ہے ان سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ یہ ابھی سال گذشتہ ۱۹۸۷ء میں یو ماڈل دیوبندیوں کے مدرسہ اور تبلیغی جماعت کے دوسرے درجہ کے مرکز "ندوۃ العلماء" لکھنؤ سے فارغ ہوئے ہیں۔ جن کا مبلغ علم یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تحریر کے نیچے جو دستخط کئے ہیں تو مہینے کا نام "جمادی الاخریٰ" لکھا ہے جبکہ مہینے

کا علم جمادی الآخرہ ہے۔ جس شخص کو اپنے عربی مہینوں کے نام بھی صحیح معلوم نہ ہوں،
اور جو اعلام میں تغیر کرتا ہو اس کی لیاقت معلوم، صاف ظاہر ہے۔ ع
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں،
ہوسکتا ہے کہ موجودہ ارباب پھلواری شریف اب بھی بزرگوں کی عون وامداد کے
قائل ہوں۔

میں ایک دن دارالافتا میں کچھ خطوط تلاش کرنے کے لیے گیا تو اس میں ایک
پوری مسل ملی اس کے ساتھ ایک صاحب کا خط بھی تھا۔ انہوں نے سیدی و اُستاذی
حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب دامت برکاتہم صدر مفتی جامعہ اشرفیہ کو لکھا تھا کہ یہ
تحریر اس غرض سے آپ کے پاس بھیجی جارہی ہے کہ آپ استفادہ کریں۔ اب میں نے
پوری مسل پڑھی اسمیں زیادہ تر وہی باتیں تھیں جو القول الاظہر اور علمائے بدایوں و
رام پور کی تحریروں میں آچکی تھیں۔ اور ہمارے علمانے ان کے جوابات میں ان کی
قلعی کھول کر رکھ دی تھی۔ میں نے حضرت مفتی صاحب سے دریافت کیا کہ اس تحریر
نوخیز کا جواب آپ نے لکھ دیا؟ تو فرمایا کہ اگر میں اس طرح لوگوں سے الجھا چلوں، تو
کوئی کام نہ ہو پائے گا۔ میں نے درخواست پیش کی کہ اجازت ہو تو میں اس کا جواب
لکھوں اور القول الاظہر وغیرہ تحریروں کے پیش نظر مزید جو ضروری باتیں خیال فرمائیں
ان کی نشاندہی و رہنمائی فرمادیں تو اس مسئلہ میں میں ایک جامع مفصل اور فیصل
رسالہ مرتب کردوں، جسے پڑھ کر اہل علم وانصاف پر حق واضح و روشن ہو جائے گا —
اور پھر وہ سنت کے مخالفوں، بدعت کے حامیوں، اور شرپسندوں کے مغالطوں کا
شکار نہ ہو سکیں گے، بلکہ انہیں اسی رسالہ سے نئے مغالطات کے جوابات کی بھی راہ
ملتی رہے گی ———— حضرت نے بخوشی میری درخواست قبول فرمائی
اب ناظرین سے گذارش ہے کہ وہ عصبیت اور عقیدت کے جذبات سے
خالی ہو کر پہلے دونوں فتوے پڑھیں۔ اور پھر میری گذارشات پر توجہ دیں ————
انشاء اللہ تعالےٰ ان پر حق واضح، واضح تر ہو جائے گا۔ یہ بھی عرض کردوں، کہ یہ

اختلاف آج کا کوئی نیا نہیں، ۔ مجدد اعظم اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے عہد مبارک میں اس سلسلے میں دیوبندیوں کے حکیم الامت جناب اشرفعلی صاحب تھانوی اور رام پور و بدایوں کے کچھ علما اپنے اپنے مقدور بھر پوری زور آزمائی کر چکے ہیں۔ جن کے رد میں اذان من اللہ، وقایۃ اھل السنۃ، حق نما فیصلہ، سلامۃ اللہ لاھل السنۃ، ازالۃ العار، تعبیر خواب، سد الفرار، وغیرھا رسائل شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں تھانوی صاحب بشمول علمائے رام پور پر ڈیڑھ ہزار اور علمائے بدایوں پر ساڑھے تین سو کے قریب ایرادات ہیں۔

اس پھلواروی تحریر میں کوئی نئی بات نہیں، انہیں سابقہ تحریرات کا چربہ ہے جن کے رد برسہا برس پہلے ہو چکے ہیں۔ اور ان کے جواب سے اصل محرر عاجز رہے اور آج بھی ان کے متبعین عاجز ہیں۔ اور قیامت تک عاجز رہیں گے۔

دیانت و انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ نے ان متبوعین کی باتیں ذکر کی تھیں تو ان پر جو ایرادات تھے ساتھ ہی ساتھ انکے جواب بھی دیتے۔ جن باتوں کی غلطی دلائل شرعیہ سے ثابت ہو چکی ہے۔ اسے اپنی تائید میں ذکر کرنا اگر ہدایت و ارشاد ہے تو اضلال و افساد کے لئے لغت میں کوئی لفظ نہیں رہے گا۔

اس رسالہ کی تبییض وغیرہ میں میرے رفیق و کرم فرما جناب مفتی معراج احمد صاحب استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے بھرپور تعاون فرمایا ہے۔ میں ان کا ممنون و شکر گذار ہوں۔ رب کریم جزائے خیر سے نوازے اور قبول حق کے لئے دلوں کے دروازے کھول دے۔ آمین۔

عبد الحق خاں رضوی
خادم تدریس جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڈھ
یکم ذوالحجہ ۱۴۰۸ھ

پھلواری کا جواب

"جمعہ کی اذانِ ثانی جو خطبہ کے قبل ہوتی ہے وہ داخلِ مسجد منبر کے سامنے ہونی چاہئے۔ یہی سنتِ خلفاء ہے، اور اسی پر عملِ امت ہے۔"

سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اذان کا مقصد کیا ہے؟ فقہا کی تصریحات سے ثابت ہے کہ اذان کا مقصد اعلامِ غائبین ہے۔ یعنی جو لوگ مسجد میں نہیں ہیں ان کو خبر دینا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے جیسا کہ شرح وقایہ میں ایک جگہ ہے ——— والاذان لاعلام الغائبین ——— اور اقامت اعلامِ حاضرین کے لئے ہوتی ہے کہ مسجد میں موجود لوگوں کو متنبہ کر دیا جائے کہ نماز شروع ہو رہی ہے۔ شرح وقایہ میں ہے ——— لانہا لاعلام الحاضرین ——— نفع المفتی میں ہے ——— ویحول فی الاذان لانہ لاعلام الغائبین والاقامۃ لتنبیہ الحاضرین ——— اب دیکھا جائے کہ جمعہ کی اذان ثانی کا مقصد کیا ہے؟ عہدِ نبوی میں جمعہ کی اذان اول نہیں تھی۔ صرف یہی اذان تھی جس سے اعلامِ غائبین کا کام لیا جاتا تھا۔ اس لئے یہ مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔ اور ایسا ہی عہدِ صدیقی و عہدِ فاروقی میں بھی معمول تھا۔ حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے ——— کان یؤذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر (ابوداؤد) ———

پھر عہدِ عثمانی میں آبادی کی کثرت کی وجہ سے ایک اور اذان کا اضافہ ہوا۔ جو اذان اول کہلائی۔ یہ اذان زوراء نامی مقام پر دی جانے لگی۔ بخاری میں ہے ———

کان النداء یوم الجمعۃ اولہ اذا جلس علی المنبر علی عہد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر فلمّا کان عثمان وکثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء ——— اب چونکہ اذان اول سے اطلاع و اخبارِ عام کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اذان ثانی کا مقصد حاضرینِ مسجد کی آگاہی و تنبیہ

قرار پایا کہ مسجد میں موجود لوگوں کو خطبہ کے لئے خاموش ومتنبہ کیا جائے ۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ـــــــ ولما زید الاذان الاول کان للاعلام والذی بین یدی الخطیب للانصات ـــــــ (فتح الباری) ـــــ
علامہ ابن المنیر نے فرمایا ہے ـــــ حکمتہ انصات الناس لسماعھا وسکون لغطا واحضار الذھن للذکر ـــــ (روح التوشیح) ـــ
جب اذانِ ثانی کا مقصد بدل گیا تو یہ اقامت کے مثل ہوگئی ۔ جس طرح اقامت اعلامِ حاضرین کے لئے ہوتی ہے ۔ اسی طرح اس کا مقصد بھی اعلام حاضرین اور انصاتِ ناس ہوا ـــــــ اور حاضرین کو خبر کرنے کے لئے اذان کو مسجد کے اندر ہونا چاہیئے نہ کہ باہر ، اسی وجہ سے فقہائے احناف میں سے کسی نے بھی اس اذان کے لئے علیٰ بابِ المسجد ، یا خارج المسجد کے الفاظ استعمال نہیں کئے ۔ سبھی بین یدی المنبر ـــ لکھتے ہیں ـــــ ہدایہ میں ہے ۔ اذا صعد الامام مجلس اذن الموذن بین یدی المنبر وبذلک جری التوارث ـــــ
بلکہ بعض کتبِ فقہ میں تصریح ہے کہ یہ اقامت کے مثل ہے ۔ اور اس میں زیادہ رفع صوت بھی نہ ہونا چاہیئے ۔ مراقی الفلاح میں ہے ـــــ والاذان بین یدیہ جری بہ التوارث کالاقامۃ بعد الخطبۃ ۔ (مراقی الفلاح) ۔ سعایہ شرح شرح وقایہ میں ہے ـــــ ای اذان لا یستحب رفع الصوت فیہ قیل ھو الاذان الثانی یوم الجمعۃ الذی یکون بین یدی الخطیب لانہ کالاقامۃ لاعلام الحاضرین ۔ صرح بہ جماعۃ من الفقہاء ۔ (سعایہ) ـــــ اتنی تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جمعہ کی اذانِ ثانی اقامت کے مثل ہے ۔ اور اقامت ہی کی طرح اسے بھی مسجد کے اندر منبر کے سامنے ہونا چاہیئے ۔ اور اسی پر تعامل امت ہے ـــــــ اب سوال کے جواب بالترتیب ملاحظہ فرمائیں ـــــ
"الف" ازرُوئے شرع خطبۂ جمعہ کی اذان منبر کے سامنے داخلِ مسجد ہونی چاہیئے

ق" اذان نماز کے داخل کی چیز نہیں ہے، کہ اس غلط جگہ پر ہونے سے نماز فاسد ہو جائے۔ اذان مسجد کے اندر دیں یا مسجد کے باہر، نماز تو ہو جائے گی۔ البتہ جمعہ کی اذانِ ثانی کا مسجد سے باہر دینا خلافِ سنت اور خلافِ تعامل ہے۔ اس لئے یہ عمل کراہت سے خالی نہ ہوگا ——— واللہ اعلم، المجیب بدر احمد المجیبی ۱۸ محرم الحرام

الجواب صحیح ، الجواب حق وصحیح والدلائل قویۃ انا متفق فی ھذا الجواب
ہلال احمد پھلواروی ، محمد احسان الحق ، مدرس دار العلوم مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

جامعہ اشرفیہ کا جواب

دیگر اذانوں کی طرح جمعہ کے خطبے کی اذان بھی مسجد کے اندر خصوصاً منبر کے متصل خطیب کے سر پر دینا خلافِ سنت، بدعت و مکروہ ہے۔ فقہائے کرام نے مطلقاً ہر اذان کے بارے میں فرمایا کہ مسجد میں نہ دی جائے، مسجد کے باہر دی جائے مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے ———

خانیہ، خلاصہ قلمی، خزانۃ المفتین قلمی، عالمگیری، البحر الرائق، شرح نقایہ

فتح القدیر میں ہے ——— لا یوذن فی المسجد، مسجد میں اذان نہ دی جائے

غنیہ شرح منیہ میں ہے ——— الاذان انما یکون فی المئذنۃ او خارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ ——— اذان نہ دی جائے مگر منارے پر، یا مسجد سے باہر، اور اقامت مسجد کے اندر۔

فتح القدیر خاص باب الجمعہ میں ہے ——— لکراھۃ الاذان فی داخلہ ——— مسجد میں اذان مکروہ ہے ———

نظم امام زندویستی پھر قہستانی پھر طحطاوی علی المراقی میں ہے ——— ویکرہ ان یوذن فی المسجد ——— مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے ———

اِن ارشادات میں نہ اذانِ پنجگانہ کی تخصیص ہے، نہ اذانِ خطبہ کا استثناء،

س لئے وہ بھی اس حکم میں داخل اور دوسری اذانوں کی طرح اسے بھی مسجد کے اندر دینا ممنوع و مکروہ، حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں یہ اذان مسجد کے باہر دروازۂ مسجد پر ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان کا اضافہ فرمایا تو بھی یہ اذان وہیں ہوتی رہی۔ جہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہوتی آرہی تھی۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اسے گھسیٹ کر منبر کے سامنے نہیں لائے، وہیں رہنے دیا۔

ابو داؤد شریف میں ہے۔

کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علیٰ باب المسجد وابی بکر وعمر۔ (رواہ ابوداؤد عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ)	جمعہ کے دن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی، ایسا ہی حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی ہوتا تھا۔

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں کی کثرت ہوئی، تو انہوں نے مقام زوراء پر ایک اذان کا اضافہ فرمایا۔ جیسا کہ پھلواری مجیب صاحب نے خود نقل کیا ہے، مگر یہ ہضم کر گئے کہ اذانِ خطبہ کہاں رہی۔ اس لئے کہ یہ ان کے مقصد کے خلاف تھا ــــــ ہم سے سنئے، اذانِ خطبہ وہیں ہوتی رہی۔ جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے ہوتی آئی تھی۔ زرقانی علی المواہب میں ہے

لما کان عثمان امر بالاذان قبلہ علی الزوراء ثم نقلہ ہشام الی المسجد ای امر بفعلہ	جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اذانِ خطبہ سے پہلے ایک اذان بازار میں زوراء پر دلوائی۔ پھر اس پہلی اذان

لہ والامام الائمہ ابن خزیمہ فی صحیحہ والطبرانی فی الاوسط، منہ

فیہ وجعل الآخر الذی بعد جلوس الخطیب علی المنبر بین یدیہ یعنی انہ ابقاہ بالمکان الذی یفعل فیہ فلم تغیرہ بخلاف ماکان بالزوراء فحولہ الی المسجد علی المنار۔

کو ہشام نے مسجد کیطرف منتقل کر دیا۔ یعنی اس کے مسجد میں ہونے کا حکم دیا، اور دوسری جو خطیب کے منبر پہ بیٹھنے کے وقت ہوتی تھی وہ خطیب کے مواجہہ میں رکھی یعنی جہاں ہوا کرتی تھی وہیں باقی رکھی، اس اذان ثانی میں ہشام نے کوئی تبدیلی نہ کی، بخلاف بازار والی اذانِ اول کے کہ اسے مسجد کی طرف منارے پر لے آیا۔

اسی سے ان مجیب صاحب کی یہ نکتہ آفرینی باطل ہو گئی کہ اذان اعلامِ غائبین کے لئے ہے۔ جو پہلی اذان سے حاصل ہو چکا۔ دوسری حاضرین کے چپ کرنے کے لئے ہے تو انہیں یہ بھی خیال نہ آیا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے اجتماعی عمل کے مقابلے میں نکتہ آفرینی کر کے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم و جملہ صحابہ کے عمل اور فقہا کے ارشاد کو رد کر رہے ہیں۔ یہ بھی خیال نہ رہا کہ یہ اذان ہے، اور ہر اذان غائبین کے اعلام کے لئے ہے۔ آج تک کسی فقیہ نے یہ نہ لکھا کہ یہ حاضرین کے انصات کے لئے ہے اس لئے کہ پھر یہ اذان نہ رہتی۔ جب اذان کو اعلامِ غائبین کے لئے مانا تو یا تو یہ کہیں کہ یہ اذان ہی نہیں۔ اور جب یہ اذان ہے تو اعلامِ غائبین ہی کے لئے ہوگی۔ یہ اسی وقت ہوگا، جب مسجد کے باہر دی جائے۔ مفتی صاحب یہ بتائیں کہ نصِ صریح کو قیاس سے رد کرنا دینداری ہے؟۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں ——— علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین ——— میری اور خلفائے راشدین کی اتباع تم پر لازم ہے۔ اور آنجناب سنت کے خلاف اپنے قیاسی تکے کے مطابق عوام کالانعام کو فتویٰ دیں، مولانا عبد الحئی لکھنوی بھی ان کے نزدیک بہت بڑے معتمد عالم ہیں۔ انہیں کی مان لیں عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں لکھتے ہیں۔

قولہ بین یدیہ ای مستقبل — یعنی بین یدیہ کے معنی صرف اسقدر ہیں
ومام فی المسجد کان اوخارجہ — کہ امام کے روبرو ہو اور یہ روبرو مسجد کے
لمسنون ھو الثانی — اندر پر بھی صادق اور باہر پر بھی، اور مسنون
دوسرا طریقہ ہے۔ یعنی سنت یہی ہے کہ مسجد کے باہر ہو۔

جب یہ تصریح کر چکے تو اسی سے ثابت کہ مسجد کے اندر اس اذان کا ہونا خلافِ
ت اور بدعت ہے ——— رہ گیا تعامل کا سوال، تو جب احادیث صحیحہ سے
ثابت کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا تعامل یہی تھا کہ مسجد کے باہر ہو تو اس کے
لاف آج کے تعامل کا کیا اعتبار، اگر آج کے تعامل کا اعتبار کر لیا جائے تو دین کا خدا
فظ، کچھ دن دور نہیں کہ مفتی صاحب داڑھی منڈانے کو بھی جائز کہدیں۔ نیز تعامل
دعوی غلط، حرمین طیبین میں کہیں بھی یہ اذان منبر کے متصل خطیب کے سر پر نہیں
ہوتی ——— مسجد حرام میں کنارۂ مطاف پر ہوتی ہے۔ اور عہد نبوی میں
مسجد حرام مطاف تک ہی تھی۔ مسلک متقسط میں ہے ——— المطاف ھو
ما کان فی زمنہ صلی اللہ علیہ مسجداً ——— اور حاشیۂ مطاف
خارج مسجد تھا۔ اور یہ اپنی جگہ پر طے کہ قبلِ تمام مسجدیت اذان کے لئے جو جگہ مقرر
کر لی جائے وہ خارج مسجد کے حکم میں ہے ——— اور مسجد نبوی میں مئذنہ
پر ہوتی ہے، جو منبر سے بہت دور ہے۔ مجیب صاحب نے سوچا ہوگا کہ عوام میں حاجی
کتنے ہوتے ہیں اور جو حج کے لئے جاتے ہیں ان میں سب کو اس سے کیا غرض کہ خطبے
کی اذان کہاں ہوئی۔ اس لئے تعامل کا بھانڈا نہ پھوٹے گا۔ دور کیوں جائیے جامع
مسجد دہلی اور آگرہ میں یہ اذان منبر کے متصل خطیب کے سر پر نہیں ہوتی۔ مئذنہ پر
ہوتی ہے۔ اب کوئی جناب سے پوچھے تعامل کہاں رہا۔

اور صاحب ہدایہ کے اس ارشاد ——— اذن المؤذنون بین
یدی المنبر وبذلک جری التوارث ——— سے یہ سمجھنا کہ یہ اذان
مسجد کے اندر ہونا چاہیئے، بڑی جہالت ہے۔ اس لئے کہ بین یدی کا معنی کسی لغت

میں اندر کے نہیں، بلکہ سامنے کے ہیں۔ جیسا کہ خود مجیب صاحب کے معتمد و مستند مولانا عبدالحئی صاحب کا ارشاد گذرا۔ باہر ہو جب بھی سامنے کا اطلاق درست ہے، بلکہ باہر اور سامنے ہونا ہی سنت ہے کہ سامنے ہونے کے لئے مسجد کے اندر ہونا کچھ ضروری نہیں۔ نیز ابوداؤد شریف کی حدیث میں بَیْنَ یَدَی کے ساتھ ساتھ علی باب المسجد بھی ہے۔ اور مسجد اقدس عہد رسالت میں سو ہاتھ لمبی اور سو ہاتھ چوڑی تھی۔ تو جب بین یدی قریب قریب سو ہاتھ کی دوری پر بھی صادق اس کے باوجود کہ باب مسجد خارج مسجد تھا۔ تو بین یدی سے اندرون مسجد پر استدلال قریب نہیں تو بادر کیا ہے۔ اور حین الخ سے اشارہ بَیْنَ یَدَی کی جانب ہے۔ اس لئے کہ یہی مذکور ہے داخل مسجد مذکور نہیں۔ رہ گیا مولانا عبدالحئی کے یہ کہنے سے کہ یہ اعلام حاضرین کے لئے ہے یہ استدلال کہ مسجد کے اندر ہونی چاہئے سوء فہمی ہے۔ اس لئے کہ پھر مولانا ہی کے کلام میں تعارض لازم آئے گا کہ وہ خود سعایہ کے اختصار عمدۃ الرعایہ میں لکھ چکے ہیں کہ مسنون یہ ہے کہ اذان مسجد کے باہر ہونی چاہئے۔ اور تعارض کے وقت منطوق مستفاد پر راجح، اس لئے خود مولانا لکھنوی کے کلام سے مسجد کے باہر اس اذان کا راجح ہونا ثابت، مجیب صاحب کو یہ بھی خبر نہیں کہ تشبیہ کیلئے مشبہ بہ کے تمام اوصاف کا مشبہ میں پایا جانا لازم نہیں۔ ورنہ لازم کہ اگر مجیب صاحب کو کسی نے شیر کہہ دیا تو اس سے ثابت ہو جائے گا کہ آنجناب کے دُم بھی ہے اور وہ چار پیر پر چلتے ہیں، جنگل میں رہتے ہیں، وغیرہ وغیرہ ——— پھر یہاں یہ لازم آئے گا کہ اس اذان میں ——— قد قامت الصلوٰۃ، قد قامت الصلوٰۃ ——— بھی کہیں اور کانوں میں انگلیاں دینا مسنون نہ ہو۔ ورنہ بات صاف ہے کہ خود مولانا نے وجہ شبہ کی تصریح کر دی ہے۔ اور وہ رفع صوت کا مستحب نہ ہونا، اور بس۔

مجیب صاحب نے بہت زور باندھا ہے کہ فقہا نے کہیں علی باب المسجد یا خارج المسجد کے الفاظ استعمال نہیں کئے ہیں۔ اس پر عرض ہے۔

اولاً: حدیث میں علی باب المسجد ہے، آپ کو وہ نظر نہیں آیا۔

ثانیاً: جب فقہاء نے تصریح کر دی کہ اذان مسجد کے اندر دینی ممنوع ہے۔ اور
ان خطبہ کا استثناء نہیں فرمایا، تو ثابت ہو گیا کہ یہ بھی مسجد کے اندر دینا ممنوع، اب
لگ سے خارج المسجد مذکور ہونے کی ضرورت نہیں جیسے نماز کی صفت میں بیان
ر دیا جاتا ہے کہ نماز کے یہ فرائض یہ واجبات یہ سنن یہ مستحبات ہیں۔ اسی سے یہ
ابت ہو جاتا ہے کہ نماز خواہ فرض ہو یا واجب یا سنت یا نفل سب کے لئے یہی تفصیل
ہے، اب اگر کوئی یہ کہے کہ وتر کے لئے کہیں نہیں کہ اس میں تکبیر تحریمہ یا قرأت یا رکوع
جدہ فرض ہیں، فقہاء نے کہیں نہیں لکھا ہے۔ تو اس کا کیا علاج؟ ۔

ثالثاً: ہم آپ سے داخل مسجد کا مطالبہ کرتے ہیں۔ آپ دکھائیے کہ کہیں کسی
قیہ نے اس اذان کے لئے داخلِ مسجد کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جبکہ آپ لوگوں کے مذہب
کے مطابق یہ ضروری تھا، اس لئے کہ جب مطلق اذان کے احکام کے بیان میں یہ فرمادیا
کہ اذان مسجد میں دینا ممنوع ہے۔ تو فقہاء پر لازم تھا کہ اذانِ خطبہ کے لئے تصریح
فرماتے کہ یہ اس سے مستثنیٰ ہے، اسے اندر ہونا چاہئے۔

رابعاً: ہم نے فقہا کا قاعدہ کلیہ بیان کر دیا کہ وہ فرماتے ہیں، مسجد میں اذان
دینا ممنوع ہے آپ ایسا ہی کوئی قاعدہ بیان کر دیجئے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ اذان
مسجد میں دینی چاہئے۔ ہم کہے دیتے ہیں کہ کوئی شخص ایک ایسا لفظ کسی فقیہ کا نہیں
دکھا سکتا، جس سے اشارۃً بھی یہ ثابت ہوتا ہو کہ یہ اذان مسجد میں ہونی چاہئے۔ عوام پر
لازم ہے کہ وہ اس پر عمل کریں جو حدیث صحیح اور فقہاء کے ارشادات سے ثابت ہے
اور ادھر اُدھر کی باتوں پر دھیان نہ دیں ——— واللہ تعالیٰ اعلم ———

محمد شریف الحق امجدی
دار الافتاء، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ

بسمہٖ وحمدہٗ والصلوٰۃ علیٰ نبیہٖ وجندہٗ

ترا کہ گفت کہ اے نازنیں ز پردہ برآ ٭ بغمزہ بر سر مردانِ شیر افگن زن

پھلواری صاحب کی تحریر مذکور کے تقریباً کل دلائل کی بنیاد یہ ہے کہ "اذانِ خطبہ اعلامِ غائبین کے لئے نہیں۔ اعلامِ حاضرین کے لئے ہے۔ ابتداء میں اسی پر سارا زور صرف کر دیا ہے۔ یہ کلیہ حقیقت میں موصوف کا مغالطۂ عامۃ الورود ہے۔ اس لئے ہم نے سب سے پہلے اسی مغالطۂ عامۃ الورود کی قلعی کھولنے کی کوشش کی ہے

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم وھو حسبنا ونعم الوکیل

اذانِ خطبہ بھی اعلامِ غائبین کے لئے ہے

(۱) پھلواری صاحب کو یہ تسلیم ہے کہ اذان اعلامِ غائبین کے لئے ہے۔ جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں —

"مقصدِ اذان فقہاء کی تصریحات کے مطابق اعلامِ غائبین ہے"۔ تو اسی سے ثابت کہ اذانِ خطبہ کا بھی مقصد اعلامِ غائبین ہی ہے۔ کیونکہ جو حکم مطلق کے لئے ثابت ہو، اس کا مطلق کے ہر ہر فرد کے لئے ثابت ہونا ضروری ہے۔ یا پھر یہ کہیں کہ اذانِ خطبہ اذان ہی نہیں، تو دوسری بات ہے۔

(۲) اس سے قطع نظر کرتے ہوئے خاص فقہاء کی تصریحات موجود ہیں کہ اذانِ خطبہ بھی اعلامِ غائبین کے لئے ہے۔ منکرین کے سب سے بڑے معتمد بزرگ مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ص ۲۴۵ پر لکھتے ہیں۔

وھذا الاذان لاطلاع الحاضرین واحضار الغائبین عن المسجد۔	اذانِ خطبہ حاضرین کی اطلاع اور مسجد میں غیر موجود لوگوں کو حاضر کرنے کے لئے ہے —

(۳) البحر الرائق جلد اول ص ۲۷۰ پر ہے۔

تکرارہ مشروع کما فی اذان
الجمعۃ لانہ لاعلام الغائبین
فتکرارہ مفید لاحتمال سماع
بعض دون بعض۔

اذان کی تکرار مشروع ہے جیسا کہ اذانِ جمعہ
میں ہے اس لئے کہ یہ اعلامِ غائبین کے لئے
ہے تو اسکی تکرار مفید ہے کیونکہ یہ احتمال ہے
کہ پہلی اذان کچھ لوگوں نے نہ سُنی ہو۔

اِس عبارت سے ثابت ہوا کہ اذانِ خطبہ بھی اعلامِ غائبین کے لئے ہے۔
اس لئے کہ اعلامِ غائبین، تکرار کے مشروع ہونے کی علت ہے، اور انتفائے علت
انتفائے معلول کو مستلزم ہے۔ تو اگر اذانِ خطبہ اعلامِ غائبین کے لئے نہ ہو تو لازم کہ
یہ تکرار سے مشروع ہی نہ ہو، ناجائز و ممنوع ہو ———— اس لئے پھلواری صا
کا یہ قول ساقط ہو گیا کہ اس عبارت میں مطلق اذان کو اعلامِ غائبین کے لئے مانا گیا ہے
اگرچہ یہ بھی ہمیں مُضر نہیں اس لئے کہ اذانِ خطبہ مطلق اذان کا فرد ہے۔
تو لامحالہ یہ بھی اعلامِ غائبین کے لئے ہوئی۔

(۴) تنویر الابصار، درمختار و ردالمحتار میں فرمایا۔

ھو شرعًا اعلام مخصوص ای
اعلام للصلٰوۃ ولم یقل بدخول
الوقت لیعم الفائتۃ وبین
یدی الخطیب۔ ص ۲۵۶، ج ۱

اذان شریعت میں اعلامِ مخصوص ہے یعنی
نماز کیلئے، دخولِ وقت کیلئے نہیں کہا، تاکہ
فائتہ اور خطیب کے سامنے والی اذان کو بھی
عام ہو جائے۔

اعلام کا متعلق محذوف ہے، یعنی یہ مذکور نہیں کہ کس کے اعلام کے لئے ہے۔
مگر دین سے ادنیٰ سی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ غائبین کے اعلام کے لئے ہے۔
اور پھر پھلواری صاحب کو یہ تسلیم کہ مطلق اذان اعلامِ غائبین کے لئے ہے، اور
یہ تعریف مطلق اذان کی ہے ———— علامہ حصکفی نے اس میں اذانِ خطبہ کو بھی
داخل مانا، تو ثابت کہ اذانِ خطبہ بھی اعلامِ غائبین کے لئے ہے۔

⑤ ہدایہ بدائع صنائع میں ہے۔

واذن المؤذنون بین یدی المنبر۔	اور (چند) مؤذن منبر کے سامنے اذان دیں

ردالمحتار جلد اول ص ۲۶۱ پر ہے۔

وکذالک نقول فی الاذان بین یدی الخطیب فیکون بدعۃ حسنۃ	منبر کے سامنے بھی چند مؤذنوں کا اذان دینا مستحسن اور بدعت حسنہ ہے۔

چند مؤذنوں کی اذان کا فائدہ عنایہ، کفایہ میں یہ لکھا۔

لتبلیغ اصواتھم الی اطراف المصر الجامع۔	تاکہ ان مؤذنوں کی آوازیں شہر کے تمام اطراف میں پہونچ جائیں۔

یہ اس پر نص صریح ہے کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لئے ہے ورنہ پورے شہر میں آواز پہونچانے کی کیا حاجت؟ اور یہ مقصد اسی وقت بروجہ اتم حاصل ہوگا کہ خارج مسجد اذان دی جائے اور محاذی امام ہونا اس میں مانع نہیں۔

⑥ ہدایہ میں فرمایا۔

قیل ھو المعتبر فی وجوب السعی وحرمۃ البیع۔	ایک قول یہ ہے کہ وجوب سعی اور حرمت بیع میں یہی معتبر ہے۔

یہ قول بھی بالکل ساقط الاعتبار نہیں، بہت باقوت ہے۔ امام الفقہا، والمحدثین امام ابوجعفر طحاوی، امام شیخ الاسلام، امام ملک العلما مسعود کاشانی جیسے جلیل القدر ائمہ نے اسے اختیار فرمایا۔ کفایہ، عنایہ میں ہے۔

وذکر فی باب الاذان من المبسوط	مبسوط نے باب الاذان میں ذکر فرمایا
واختلفوا فی الاذان المعتبر الذی	فقہا نے اس میں اختلاف کیا کہ جو اذان
یحرم البیع ویجب السعی الی الجمعۃ	بیع کو حرام اور جمعہ کیلئے سعی کو واجب

كان الطحاوي يقول هو الاذان الثاني بعد خروج الامام فانه الاصل (العناية) وهو اختيار شيخ الاسلام۔

کرتی ہے وہ کون سی اذان ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ اذانِ ثانی ہے۔ اس لئے کہ یہی اصل ہے۔ شیخ الاسلام کا مختار یہی ہے۔

امام ملک العلماء بدائع الصنائع ص ۲۷ میں فرماتے ہیں۔

وكذا يكره البيع والشراء يوم الجمعة اذا صعد الامام على المنبر واذن المؤذنون بين يديه۔

یونہی جمعہ کے دن بیع وشراء مکروہ ہے۔ جب امام منبر پر چڑھ جائے اور مؤذن اس کے سامنے اذان دیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اذانِ خطبہ اگر اعلامِ غائبین کے لئے نہیں تو حرمتِ بیع اور وجوبِ سعی میں اس کا معتبر ہونا لغو ہوگا ——— کیونکہ خرید وفروخت بازاروں میں ہوتی ہے مسجد کے اندر نہیں ہوتی، جو لوگ مسجد میں حاضر ہو چکے ان پر سعی واجب ہونے کے کیا معنیٰ؟ کیا ان لوگوں پر واجب ہے کہ گھر جا کر پھر آئیں؟ اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ اذان بھی اعلامِ غائبین کے لئے ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان ائمہ کے زمانوں کا بھی معمول یہی تھا کہ اذانِ خطبہ بیرونِ مسجد ہوتی۔ اگر ان کے زمانوں میں یہ اذان اندر ہوتی تو شہر والوں کو یہ اذان سننا ممکن ہی نہ ہوتا۔ پھر ترکِ بیع و وجوبِ سعی کی وہ بجا آوری کیسے کرتے؟ ———

بلکہ بنظرِ دقیق اگر دیکھا جائے تو قولِ مختار (یعنی حرمتِ بیع و وجوبِ سعی میں اعتبار اذانِ اول کا ہے) سے بھی لازم کہ اذانِ خطبہ اعلامِ غائبین کے لئے ہے۔ اس لئے کہ وہ لوگ اپنی دلیل میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس خصوص میں اذانِ ثانی کا اعتبار رہے گا تو بہت لوگ خطبہ سے محروم ہوں گے۔ اور اس کا اندیشہ ہے کہ وہ نماز بھی نہ پائیں۔ اگر یہ اذان اعلامِ حاضرین کے لئے ہوتی تو یہ فقہاء اپنی تائید میں یہ فرماتے کہ اذانِ خطبہ تو اعلامِ حاضرین کے لئے ہے۔ اس کے اعتبار کے کیا معنیٰ؟ ———

اب جبکہ فقہائے کرام کے ارشادات سے ثابت ہوگیا کہ اذانِ خطبہ بھی اعلامِ

غائبین کیلئے ہے تو خود پھلواروی صاحب کی تحقیق کے مطابق اس کا داخلِ مسجد مکروہ ہونا ثابت، انہوں نے خود لکھا ہے۔

"اذان کے داخلِ مسجد مکروہ ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ اعلامِ غائبین کے لئے ہے اور اعلامِ غائبین داخلِ مسجد اذان دینے سے حاصل نہیں ہوگا"

چند سطر بعد ہے۔

"داخلِ مسجد کراہتِ اذان کا حکم مقصدِ اذان اعلامِ غائبین ہے"

اور جب بدلائلِ شرعیہ ثابت کہ اذانِ خطبہ بھی اعلامِ غائبین کے لئے ہے، تو خود پھلواروی صاحب کے قول سے ثابت کہ اذانِ خطبہ مسجد کے اندر دینا مکروہ، آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہو گیا کہ فقہاء نے جو فرمایا تھا۔

لا یوذن فی المسجد۔	مسجد میں اذان نہ دی جائے،
یکرہ ان یوذن فی المسجد۔	مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے،
لکراھتہ الاذان فی داخلہ۔	اندرونِ مسجد اذان مکروہ ہونے کے باعث،۔

یہ اذانِ خطبہ کو بھی ضرور ضرور عام، اور پنجگانہ اذانوں کی طرح اذانِ خطبہ بھی اندرونِ مسجد دینا بلاشبہہ مکروہ و ممنوع،۔

پھر یہ بات اجلیٰ بدیہیات سے ہے کہ فقہاء نے جب مطلق اذان کو مسجد کے اندر مکروہ و ممنوع فرمایا، تو اذانِ خطبہ بھی بلاشبہہ مکروہ و ممنوع، اس لئے کہ ——— لا یؤذن فی المسجد ——— میں فعل منفی ہے اور فعلِ منفی نکرہ تحت نفی کے حکم میں ہونے کی وجہ سے عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اور حکمِ عام اس کے تمام افراد کو بلاشبہہ شامل ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ اصول الشاشی پڑھنے والا بھی جانتا ہے۔

نیز یکرہ ان یؤذن فی المسجد ——— مطلق ہے۔ اور مطلق کا حکم

اس کے تمام افراد کو شامل، تو یہ حکم کراہت اذان خطبہ کو بلا شبہہ شامل ۔
اب پھلواروی صاحب کے لئے دو ہی راستے ہیں، یا تو کہیں کہ اذانِ خطبہ اذان ہی نہیں، یا پھر کوئی نص لائیں جس سے ثابت ہو کہ اذان خطبہ اس حکم عام، اور مطلق سے خارج ہے۔ منصوصات کے مقابلے میں محض اٹکل پچّوں اور زور بیان کام نہیں دیتا۔ منصوص کی تقیید اسی درجہ کی دلیل منصوص سے معتبر ہے۔ بلا دلیل اٹکل پچّوں سے عام کو خاص اور مطلق کو مقیّد کرنا دین کی تحریف ہے۔

حضرت عثمان پر افترا

پھلواری صاحب نے یہ بھی لکھا کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پہلی اذان زوراء پر نافذ کی تو اذانِ ثانی کا مقصد حاضرینِ مسجد کی آگاہی اور تنبیہ قرار پایا

اس پر گذارش ہے کہ آپ کو یہ تسلیم ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم او حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے عہد مبارک میں بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اوائلِ خلافت میں یہ اذان اعلام غائبین کے لئے تھی۔ مگر عہد عثمان میں اس کا مقصد اعلام حاضرین ہو گیا۔

اوّلاً، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اذان کا جو مقصد رکھا تھا، اسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بدل دیا۔ کیا کسی امتی کو یہ حق حاصل ہے؟ ۔

ناظرین اپنے ایمان سے پوچھیں، شارع علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے معین کردہ مقصد کی تبدیل کا الزام حضرت عثمان ذو النورین جیسے خلیفۂ راشد کے سر لگانے کی جرأت کوئی ہوشمند مسلمان نہیں کر سکتا۔

پھلواروی صاحب یہ بتائیں کہ اس کا آپ کے پاس کیا ثبوت کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ تبدیلی کی، اور اگر آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں اور

ہم دعوے سے کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ پھر آپ ہی بتائیں کہ یہ دیانت داری کی کون سی قسم میں داخل ہے کہ باپ دادا کی غلط رسم کو صحیح بنانے کے لئے ایک خلیفۂ راشد کے سر اتنا بڑا الزام رکھ رہے ہیں۔

ثانیاً: اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو لازم کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث متروک العمل ہو۔ حالانکہ آپ کے بزرگ بھی اندرونِ مسجد اذان کے مکروہ ہونے پر اسی سے دلیل لاتے ہیں۔ انبیٹھی صاحب جن کے نام سے البراہینُ القاطعہ چھپی ہے۔ بذلُ المجہود جلد ثانی ص ۱۸۰ پر لکھتے ہیں۔

ھٰذا الحدیث استدل بہ علیٰ کراھیۃ الاذان فی المسجد وقالوا ان باب المسجد کان خارجًا منہ واذن علیہ فیکرہ الاذان فی الدّاخل۔	اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے، کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے، لوگوں نے کہا ہے کہ مسجد کا دروازہ مسجد سے خارج تھا اور اذان دروازے پر ہوتی تھی، اس لئے مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔

آپ کے دوسرے بزرگ انور کشمیری العرف الشذی جلد اول ص ۱۱۶ پر لکھتے ہیں۔

ولکن فی سنن ابی داؤد ص ۱۵۵ مایدل علیٰ ان یکون فی خارج المسجد علی الباب۔	لیکن سنن ابو داؤد ص ۱۵۵ پر جو حدیث ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اذانِ خطبہ مسجد کے باہر دروازے پر ہو۔

اور اگر اس وجہ سے کہ آپ لوگوں کی ہزار نیازمندی کے باوجود یہ آپ کے بزرگ آپ لوگوں کو بھی گمراہ بدعتی، جہنمی[1] کہتے ہیں۔ ان کی نہ مانیں تو اپنے سب سے معتمد مستند بزرگ علامہ لکھنوی کی تو مانیں گے۔ انہوں نے عُمدۃ الرعایہ میں اس اذان کے خارجِ مسجد مسنون ہونے پر اسی حدیث سے استدلال کیا ہے ——— قولہ بین یدی

---

[1] براہین قاطعہ، فتاوی رشیدیہ، تقویۃ الایمان پڑھ لیجئے۔ منہ

ای مستقبل الامام ؛ کا پورا حاشیہ پڑھ لیں، بولئے متروک العمل حدیث سے استدلال درست ہے۔ **ثالثاً:** فتوحاتِ الٰہیہ کی عبارت رہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اذان مسجد کے دروازے پر دلوائی، جب بقول آپ کے عہد عثمانی ہی میں مقصد بدل جانے کی وجہ سے یہ اذان اندرون مسجد کر دی گئی، تو پھر باہر کیوں کر دی گئی؟۔ آپ اذان کو جو ایک دینی شعار ہے فٹبال سمجھتے ہیں ——— آپ نے لکھا کہ یہ امر تعبدی نہیں قیاسی ہے، تو گذارش ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینے کی کراہت کی دو عقلی وجہیں بھی ہیں۔ ایک یہ کہ مسجد دربار الٰہی ہے۔ بادشاہوں کے دربار کی حاضری کیلئے دربار کے اندر پکارنا دربار کی بے حرمتی ہے، آپ کم از کم پٹنہ کی کچہریوں میں جا کر دیکھ لیتے کہ چپراسی مدعی، مدعی علیہ کو کچہری سے باہر نکل کر پکارتا ہے، کچہری کے اندر پکارنا جرم ہے اگر کوئی چپراسی ایسی حرکت کرے اور منع کرنے پر بھی نہ مانے تو اسے ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے گا ——— یہ اسی وجہ سے ہے کہ کچہری کے اندر سے حاضری کے لئے پکارنا کچہری کی بے ادبی ہے، جب دنیوی کچہریوں کا یہ حال ہے تو اس واحد قہار وجبار کے دربار میں حاضری کیلئے پکارنا بلا شبہہ بے ادبی ہو گی ——— اس لئے مسجد کے اندر اذان اگرچہ اذان خطبہ ہو، یقیناً دربار الٰہی کی بے ادبی ہے۔

دوسری علت وہی ہے جو گذر چکی کہ اذانِ خطبہ بھی اعلام غائبین کے لئے ہے۔ اور آپ کو خود تسلیم کہ اعلام غائبین مسجد کے اندر اذان کی کراہت کی علت ہے۔

پھلواروی صاحب ائمہ کرام کے مقابلے میں ان کے منصوصات کو رد کرنے کے لئے قیاس کرنا مجتہد کا کام ہے آپ کا یا ہمارا نہیں۔

پھلواروی صاحب کے دلائل پر ایک نظر

اوّل: "اذانِ خطبہ اعلامِ غائبین کے لئے نہیں"۔ اس کی دلیل میں پھلواروی صاحب نے علامہ ابنِ حجر عسقلانی کا یہ قول پیش کیا ہے کہ اذانِ خطبہ انصاتِ حاضرین کے لئے ہے۔

اس پر گذارش ہے کہ اَوَّلاً اذان کا رکن اعلام ہے اور انتفائے رکن انتفائے شئ کو مستلزم، تو اگر یہ اذان انصات کے لئے مانیں تو اذان ہی نہ رہے گی۔

علامہ ابن عابدین شامی نے ردالمحتار میں فرمایا، ص ۲۵۶، جلد اوّل، -

لا یسمی اذانا شرعا لعدم — تو اس کو شرعاً اذان نہ کہیں گے۔ کیوں کہ
الاعلام اصلا۔ — اعلام بالکل نہ رہا۔

ثانیاً: حنفیت کا دعویٰ کرتے ہوئے ایک شافعی عالم کا قول فقہائے احناف کے ارشادات کو رد کرنے کے لئے لانا آپ کو زیب نہیں دیتا یہ تو خالص غیر مقلدیت ہے۔

ثالثاً، یہ تو واضح فرمائیں کہ اعلام غائبین اور انصات میں تباین کیسے ہے۔ کیا اعلام غائبین کے ساتھ حاضرین کے انصات کا فائدہ نہیں حاصل ہوسکتا۔ آپ نے اپنے سب سے بڑے معتمد مولانا لکھنوی صاحب کا قول نہیں دیکھا کہ وہ اس اذان کو حاضرین کی اطلاع اور غائبین کے استحضار دونوں کے لئے مان رہے ہیں۔

دوم: پھر آپ نے اپنے مدعا پر جامع الرموز وغیرہ کی یہ عبارت پیش کی ہے۔ اذانِ خطبہ احیائے احکام کے لئے ہے۔ یہاں موصوف نے اپنی فنکاری کا زبردست مظاہرہ کیا ہے کہ جامع الرموز کی عبارت نقل کرنے سے پہلے —— یہ لکھا —— حضرات جامع الرموز فتاوی الحجہ کنز العبا دوغیرہا میں ہے کہ یہ اذان اعلام غائبین کے لئے نہیں ہے، احیائے احکام کے لئے ہے۔ جو عبارتیں نقل کی ہیں ان میں کوئی ایسا جملہ یا لفظ نہیں، جس کا ترجمہ یا مطلب یہ ہو —— کہ یہ اعلام غائبین کے لئے نہیں ہے —— میری سمجھ میں نہیں آتا کہ فقہا کے سر افترا پردازی کس دین میں محمود و پسندیدہ ہے۔ موصوف اس افترا سے عوام کو یہ جل دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے مدعا کی تشریح فقہا کے کلام میں موجود ہے۔ بے پڑھے عوام نہ عربی جانتے ہیں نہ ترجمہ کر پائیں گے حضرت کے ظاہری تقدس پر اعتماد کرکے مان لیں گے کہ واقعی کتابوں میں یہی ہے۔ اسی

نہ باریک تر ذہنوں کے پیشِ نظر اس عبارت کا ترجمہ نہیں کیا۔ لیکن کیا یہی دین پروری
ہے، یہی دین کی اشاعت ہے ——— موصوف کا یہ افترا اس کی دلیل ہے کہ
ن کے پاس اپنے مدعا پر کوئی دلیل نہیں ورنہ افترا کیوں کرتے۔ جبکہ وہ قرآن مجید کی
لاوت کرتے ہوں گے، ارشاد ہے۔

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ	جھوٹ وہی لوگ گڑھتے ہیں، جو اللہ کی آیتوں
لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ۔ (النحل ۱۰۵)	پر ایمان نہیں رکھتے۔

ہاں! ان کتابوں میں یہ ضرور ہے کہ اذانِ خطبہ احیائے احکام کے لئے ہے،
احیائے احکام کا کیا مطلب ہے وہ آپ کے کلمات میں معروض ہے۔ آپ نے خود لکھا ہے،
احیائے احکام کا کیا مطلب ہے اس کی وضاحت علامہ لکھنوی کی عبارت سے
ہوتی ہے۔ اب میری طرف سے سنئے، عمدۃ الرعایہ ص ۲۴۵ میں فرماتے ہیں۔

وھذا الاذان لاطلاع الحاضرین	(یہ خطبہ کی) اذان حاضرین کی اطلاع اور مسجد
واحضار الغائبین عن المسجد	سے غیر موجود لوگوں کو حاضر کرنے کیلئے ہے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ احیائے احکام کا مطلب صرف اعلامِ حاضرین کیسے ہوا۔
رہ گیا علامہ لکھنوی نے جو سعایہ اور سباحہ میں لکھا۔

لِاَنَّہٗ لِاِعْلَامِ الْحَاضِرِیْنَ کَالْاِقَامَۃِ

وہ یوں ساقط الاعتبار ہے کہ اس کے بارے میں سعایہ میں لکھا کہ فقہاء کی ایک
جماعت نے اس کی تشریح کی ہے۔ اور سباحہ میں لکھا کہ انہوں نے یا فقہاء نے یہ
لکھا ہے ——— حالانکہ سوائے علامہ موصوف کے کسی فقیہ نے یہ نہیں فرمایا ———
صراحت تو بہت دور ہے، اشارۃً بھی نہیں کہ یہ اذان اعلامِ حاضرین کے لئے ہے۔
وہ تو دنیا سے تشریف لے گئے مگر آپ زندہ ہیں۔ ہمارے پاس تو بقول آپ کے صرف
ان کتابیں ہیں۔ مگر آپ کے پاس تو کتابوں کا گنج قارون ہے۔ آپ ہی دکھا دیجئے، کہ
فقہاء کی جماعت تو بہت دور ہے، کس فقیہ نے یہ تصریح کی ہے یا فرمایا ہے کہ یہ
اذان اعلامِ حاضرین کے لئے ہے۔ صحیح یہ ہے کہ علامہ لکھنوی صاحب سے تسامح ہو گیا

ہے، انہیں اشتباہ لگ گیا ہے۔ فقہاء نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ اذانِ خطبہ بھی اعلامِ غائبین کے لئے ہے صراحتہً بھی اور اشارۃً بھی، جس کے نصوص ہم اوپر ذکر کر چکے، غالباً عمدۃ الرعایہ لکھتے وقت علامہ لکھنوی صاحب کو اپنی غلطی پر تنبہ ہوا۔ اسی لئے اس میں یہ لکھا ——— لاطلاع الحاضرین واحضار الغائبین عن المسجد

مصنف کی تحقیقات بڑھتی جاتی ہیں، اور جو دیندار ہوتا ہے۔ وہ اپنی رائے بدلنے میں ہتکِ عزت محسوس نہیں کرتا۔ اس لئے ہر مصنف کے نزدیک اس کا قول راجح وہی ہوتا ہے جو بعد کا ہوتا ہے۔ عمدۃ الرعایہ، سعایہ کے بعد کی کتاب ہے، اس لئے سعایہ کے مقابلے میں عمدۃ الرعایہ کو ترجیح ہوگی۔ یہ تو آپ کے طرز پر کلام تھا اور بربنائے تحقیق یہ گذارش ہے کہ احیائے احکام سے اعلامِ غائبین مراد نہ ہونا اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ دونوں میں منافات ہو۔ اب بتائیے دونوں میں کیسے منافات ہے۔ اور جب منافات نہیں، اور یقیناً نہیں تو احیائے احکام سے اعلامِ غائبین کی نفی پر دلیل لانا کیسے صحیح ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ احیائے احکام سے مراد اعلامِ غائبین ہے۔ اس پر کیا استحالہ ہے؟۔

دلیلِ سوم:۔ اس کے بعد پھلواروی صاحب تفسیر روح البیان کی یہ عبارت اپنی تائید میں نقل کرتے ہیں۔

والمعتبر فی تعلق الامر الاٰتی	آئندہ آنے والے امر کے تعلق میں قول اصح
فی الاصح عندنا لان حصول الاعلام	میں ہمارے نزدیک اذان اول ہی معتبر
بہ لا الاذان بین یدی المنبر	ہے اس لئے کہ اس سے اعلام حاصل ہوتا ہے،
	منبر کے سامنے والی اذان (معتبر) نہیں۔

جواب:۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس عبارت سے کیسے ثابت ہو رہا ہے کہ اذان خطبہ اعلامِ غائبین کے لئے نہیں، حاضرین کے لئے ہے۔ یہاں تو یہ فرمارہے ہیں کہ ——— فاسعوا الی ذکر اللہ ——— کا تعلق اذانِ اول سے ہے۔ خطیب کے سامنے والی اذان سے نہیں۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اذانِ خطبہ اعلام

غائبین کے لئے نہیں۔ آپ نے اپنی خوش فہمی سے یہ سمجھ لیا کہ ——— الاذان
بین یدی المنبر ——— کا عطف بہ کی ضمیر مجرور متصل پر ہے۔ حالانکہ ادنیٰ
سی سمجھ رکھنے والا جانتا ہے کہ اس کا عطف الاذان الاوّل پر ہے۔ اس لئے کہ یہاں
یہی بحث چل رہی ہے کہ جمعہ کے لئے سعی کا وجوب اور بیع کی حرمت، اذانِ اول کے وقت
سے ہے، یا اذانِ ثانی سے صاحب روح البیان نے یہ بتایا کہ ہمارا مذہبِ اصح یہ ہے
کہ یہاں اعتبار اذانِ اول کا ہے ——— اگر اب بھی سمجھ میں نہ آیا ہو تو یوں سمجھیں کہ
— بہ — کی ضمیر مجرور ہے۔ اس پر ——— لا الاذان بین یدی المنبر
——— کا عطف صحیح نہیں۔ کیونکہ ضمیر مجرور پر عطف اسی وقت درست ہے، جبکہ
معطوف میں جار کا اعادہ ہو۔ ہدایۃ النحو اگر سمجھ کے پڑھا ہوتا تو اس میں بھی یہ مذکور ہے
——— اذا عطف علی الضمیر المجرور یجب اعادۃ حرف الجر۔ ص ۵۰۔

اگر آپ یہ کہیں کہ جب اذانِ اول سے اعلامِ غائبین حاصل ہو گیا تو اذانِ ثانی
کی کیا ضرورت، یا دوبارہ اعلامِ غائبین کی کیا ضرورت، اس کا جواب علامہ ابنِ نجیم دے
چکے ہیں کہ اس کا احتمال ہے کہ اذانِ اول کچھ لوگوں نے نہ سنی ہو۔

دلیلِ چہارم:۔ پھر روح المعانی کی یہ عبارت ذکر کی۔

اما کون الثانی لا اعلام فیہ فلا — لیکن ثانی میں اعلام نہ ہونا مُعز نہیں اسلئے کہ
یضور لانہ وقتہ معلوم تخمینا۔ — اندازے سے اس کا وقت معلوم ہے۔

جواب:۔ آدمی کو اپنی تائید میں کوئی قول نقل کرنے سے پہلے اُسے سمجھ لینا ضروری
ہے۔ آپ کے علامہ آلوسی نے آپ کا بھی صفایا کر دیا۔ آپ تو اسے اعلام حاضرین کے
لئے مانتے ہیں۔ اور وہ لکھتے ہیں ——— لا اعلام فیہ ——— اس میں کوئی
اعلام نہیں۔ یہ لا، لاء نفی جنس ہے۔ یعنی نہ حاضرین کے لئے نہ غائبین کے لئے —
پہلے اس سے توبہ کیجئے کہ یہ اذان اعلامِ حاضرین کے لئے ہے۔ پھر اپنے علامہ آلوسی

کی پناہ لیجئے، گذر چکا کہ اعلام، اذان کا رکن ہے۔ اگر اذانِ خطبہ میں اعلام نہ مانیں تو یہ اذان ہی نہ رہے گی۔ اس لئے آپ کے آلوسی صاحب کا یہ کہنا ــــــ لا اعلام فیہ ــــــ باطل ہے۔ پھر ایک اور بات بتاتے چلئے۔ آپ نے اپنے مدعا پر روح البیان کی مذکورہ بالا عبارت پیش کی تھی، بعینہ یہی عبارت خود آپ کی نقل کے مطابق فاضلِ چلپی کی بھی ہے آپ نے اس کے بعد لکھا ہے ــــــ اسکی علامہ آلوسی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آپ نے اپنے علامہ آلوسی کی تردیدی عبارت اپنی تائید میں پیش کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی تحقیق کے بموجب آپ کے علامہ آلوسی کی تردید حق ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو جیسے فاضلِ چلپی کی عبارت آپ کے نزدیک مردود ہے، ویسے ہی روح البیان کی بھی، دونوں عبارتوں کے معانی تو معانی الفاظ بھی ایک ہیں۔ اب آپ فرمائیے! آپ ہی کی تحقیق سے جب روح البیان کی عبارت آپ کے نزدیک مردود ہے تو اسے اپنے مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا دیانت کی کس قسم میں داخل ہے، چلئے آپکو ڈھیل دیتے ہیں، اگر آپ نہیں مانتے کہ نہیں ہمارے علامہ آلوسی کی بات مردود ہے اور روح البیان کا ارشاد حق ہے۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ اپنے علامہ آلوسی کی مردود عبارت آپ نے کس مقصد کے لئے لکھا ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب دلیل مردود ہو گی تو اس سے ثابت شدہ مدعا بھی مردود ہو گا۔

داخلِ مسجد پر استدلال کی حقیقت

پھر پھلواروی صاحب لکھتے ہیں۔

اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء تو خود اس کے داخلِ مسجد ہونے کے قائل ہیں۔ کیونکہ کسی فقیہ نے اس کے لئے ــــــ علی باب المسجد یا خارج المسجد ــــــ کے الفاظ استعمال نہیں کئے۔ سبھی ــــــ بین یدی المنبر ــــــ لکھتے ہیں۔

پھلواروی صاحب نے اس اذان کے داخلِ مسجد ہونے پر اپنی بڑی فیاضی سے کام لیا ہے۔ ایک نہیں دو دو دلیلیں دی ہیں۔ اول یہ کہ کسی فقیہ نے اس کے لئے —— علیٰ باب المسجد یا خارج المسجد —— کے الفاظ استعمال نہیں کئے —— دوسری یہ کہ سبھی —— بین یدی المنبر —— لکھتے ہیں۔

اب ہم دونوں دلیلوں کی حقیقت واضح کرتے ہیں

دلیل اول:۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے نزدیک عدمِ ذکر، ذکرِ عدم ہے۔ قبلہ! اصل فتویٰ میں یہ توضیح مذکور ہے کہ فقہا نے ارشاد فرمایا —— لا یؤذن فی المسجد —— ویکرہ ان یؤذن فی المسجد —— اس میں نہ اذانِ خطبہ کا استثنا ہے، نہ پنجگانہ کی تخصیص۔ اس لئے یہ ارشادات اذانِ خطبہ کو بھی شامل تو ان ارشادات سے ثابت کہ خطبہ کی اذان بھی مسجد کے اندر دینی ممنوع و مکروہ ہے۔ اگر آپ نے واقعی اس وقت کچھ نہیں سمجھا تھا تو اب سمجھئے —— لا یؤذن فی المسجد —— فعل منفی ہے۔ اور فعل منفی نکرہ تحت نفی کے حکم میں ہوتا ہے اور یہ عموم چاہتا ہے۔ اور عام کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے تمام مسمیات کو شامل ہوتا ہے۔ اذانِ خطبہ بلاشبہ اذان ہے اور اذانِ عام کا ایک فرد۔ لہٰذا عام کے حکم میں یہ بھی داخل، اسی طرح —— یکرہ ان یؤذن فی المسجد —— مطلق ہے۔ اور مطلق کا حکم اس کے تمام افراد کو محیط، تو یہ حکم اذانِ خطبہ کو بھی ضرور محیط، اور جہاں کوئی فردِ عام یا مطلق کے حکم سے خارج ہوتا ہے وہاں استثنا مذکور ہوتا ہے —— مثال کے طور پر نماز کے لئے اذان سنت ہے۔ مگر عیدین، کسوف وخسوف اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کتبِ فقہ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ عیدین، کسوف وخسوف کے بیان میں یہ ذکر فرماتے ہیں کہ ان نمازوں میں اذان نہیں۔ اسی طرح اگر اذانِ خطبہ

اس حکم عام و مطلق سے خارج ہوتی تو باب الاذان یا پھر باب الجمعہ میں اس کا استثنار ضرور مذکور ہوتا، اور جب کہیں استثنار مذکور نہیں تو اذان کے عام و مطلق حکم میں یہ بھی داخل، ——— اور اگر آپ کو یہ تسلیم نہیں، اور آپ یہ ضروری جانتے ہیں، کہ ہر ہر فرد کے لئے خاص طریقے سے جب تک احکام کی تصریح نہ ہو حکم ثابت نہیں ہوگا اور تو اور خود اسی اذانِ خطبہ کے بارے میں فرمائیے۔ اس کے لئے قبلہ رُو ہونا، کھڑا ہونا، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح پر مڑنا، مسنون ہے یا نہیں؟ اور کانوں میں انگلیاں دینا مستحب ہے یا نہیں؟ اور اس اذان کے لئے وہی کلمات ہیں یا نہیں؟ جو مطلق اذان کے ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ نہیں تو کہہ کے دیکھ لیجئے پھر تو ہمیں کچھ کہنا ہی نہ پڑے گا، اور اگر آپ کہیں کہ ہاں تو ہم آپ ہی کے الفاظ میں عرض کر دیں گے کہ اذانِ خطبہ کے لئے کسی فقیہ نے ——— قائما، متوجھا الی القبلہ و محول وجھہ یمینا و یسارا عند الحیعلتین، وغیرہ ——— استعمال نہیں کئے ہیں۔ لہذا آپ کے قاعدے سے ثابت کہ اس اذان میں نہ قیام سنت ہے، نہ قبلہ رو ہونا، اور نہ حیعلتین پر دائیں بائیں منہ پھیرنا، اور نہ کانوں میں انگلیاں دینا مستحب ہے، اور نہ اس کے الفاظ وہ ہیں جو مطلق اذان کے ہیں۔

فرمائیے! اب کیا ارشاد ہے۔ صرف اذان ہی نہیں ساری عبادات اور سارے احکام میں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ اگر آپ جواب کی زحمت کریں گے تو کچھ ادّعائیم نذر کر دیئے جائیں گے۔

بَیْنَ یَدَی کی بحث

دلیل ثانی، یعنی سبھی بَیْنَ یَدَی لکھتے ہیں۔

جواب: ہمارا یہ کہنا ہے کہ بَیْنَ یَدَی کے معنیٰ اَمَام، قُدَّام، بلا لحاظ قرب، سامنے کے ہیں، جو قریب اور بعید دونوں کو شامل ہے۔ اور یہی قرآن مجید کی متعدد آیات، احادیث، اور کتبِ لغت سے ثابت ہے۔ پہلے قرآن مجید کی چند آیتیں ملاحظہ کیجئے۔

(۱) یعلم ما بین ایدیھم — جو کچھ ان کے آگے ہے جو کچھ ان کے پیچھے

وماخلفهم۔	ہے اللہ سب جانتا ہے۔
(۲) لہ مابین ایدینا و ماخلفنا۔	اسی کا ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے، اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے۔
(۳) افلم ینظروا الی مابین ایدیھم وماخلفھم من السمآء والارض	ان کے آگے پیچھے جو آسمان و زمین ہے کیا یہ لوگ اسے نہیں دیکھتے۔
(۴) ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ (الی ان) یعملون لہ ما یشآء من محاریب و تماثیل وجفان کالجواب وقدور رسیٰت	اور جنوں میں سے ایسے تھے جو ان کے (حضرت سلیمان کے) پروردگار کے حکم سے ان کے سامنے کام کرتے تھے، وہ جو چاہتے ان کے لئے بناتے محرابیں، مجسمے، تالاب جیسی لگن اور ایسی دیگیں جو ایک ہی جگہ رہتیں۔
(۵) ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید	یہ تو صرف تمہیں ڈرانے والے ہیں، ایک سخت عذاب کے آگے۔

بطور نمونہ ہم نے پانچ آیتیں ذکر کی ہیں۔ ورنہ ایسی آیتیں جن میں بَیْنَ یَدَیِ، امام و قدّام کے معنی میں ہے، کثیر ہیں۔ اب تفاسیر لیجئے۔ جلالین میں سورۂ رعد لَہٗ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَیْنَ یَدَیْہِ۔ کی تفسیر قُدّامہٗ ہے (ص ۲۰۱) اسی میں سورۂ مریم کی آیۂ کریمہ لَہٗ مَابَیْنَ اَیْدِینَا کی تفسیر اَمَامَنَا ہے۔ خازن میں آلِ عمران کی آیۂ کریمہ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ ـــــ کے تحت ہے ـــــ وذلک انما بین یدیہ فھو امامہ ـــــ اس کے علاوہ تفسیر ابو سعود سورۂ یونس میں، معالم التنزیل، سورۂ حجرات میں بھی یہی ہے ـــــ امام ابو بکر محمد رازی انموذج جلیل جلد ۲ ص ۱۱۲ پر اور علامہ سلیمان جمل جلد ۲ ص ۴۸۲ پر ہماری ذکر کردہ آیت ۲ کے تحت فرماتے ہیں۔

من المعلوم انما بین یدی الانسان ھو کل شی یقع نظرہ علیہ من غیر ان یحول وجھہ الیہ — یعنی معلوم ہے کہ آدمی کا بَیْنَ یَدَی ہر وہ چیز ہے جس پر اس کی نظر پہونچے اور اسے دیکھنے میں اس طرف منہ پھیرنے کی حاجت نہ ہو،

اب کتب لغات لیجئے۔ قاموس میں ہے —— و بین یدی الساعۃ قُدّامھا —— لسان العرب میں ہے —— ویقال بین یدیک کذا لکل شئ امامك۔ قال اللّٰہ عزوجل "من بین ایدیھم" ویقال ان بین یدی الساعۃ اھوالا ای قُدّامھا (ج ۱۵ ص ۴۲۵)

—— علاوہ ازیں صحاح، تاج العروس وغیرہ میں بھی ایسا ہی ہے ——

مجمع بحار الانوار ص ۲۴۳ پر ہے۔ فعلت بین یدیك ای بحضرتك۔

اور خود اسی ابو داؤد میں دیکھئے کہ بین یدی کے ساتھ علی باب المسجد بھی ہے۔ اصل فتوے میں اس کی توضیح کر دی گئی تھی کہ عہد رسالت میں مسجد اقدس سو ہاتھ لمبی، سو ہاتھ چوڑی تھی۔ منبر کی جگہ زیادہ سے زیادہ چار ہاتھ نکال لیجئے۔ تو چھیانوے ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ تو حدیث کی نصِّ صریح سے ثابت کہ چھیانوے ہاتھ کے فاصلے تک بین یدی کو صحابیٔ رسول نے صادق مانا وہ اہل زبان تھے۔ انکا محاورہ سب پر مقدم، تو اس سے ثابت کہ بین یدی کے معنی کا جزء قریب اور متصل ہونا نہیں بلکہ اسکے معنی مطلقاً سامنے، آگے کے ہیں۔ خواہ قریب ہو خواہ بعید، کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہماری ذکر کردہ آیت ۲ میں آسمان کو جو پانچ سو برس کی راہ پر ہے بَیْنَ یَدَی فرمایا گیا۔ اس لئے فقہاء کے اس ارشاد —— بین یدی المنبر —— سے یہ استدلال کہ یہ اذان خطیب کے سر پر، منبر کے متصل یا اندرون مسجد ہونی چاہئے فاسد ہے۔

اِستدلالاتِ فاسدہ اور ان کے جوابات

پھلواری صاحب نے کشاف، مدارک وغیرہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بَیْنَ یَدَی کے معنی میں قریب ہونا داخل ہے۔

لکھتے ہیں۔

حقیقۃ قولھم جلست بین یدی فلان ان یجلس بین الجھتین المسامتتین لیمینہ وشمالہ قریبا منہ

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

"اس سے صراحت ہوگئی کہ بین یدی کے اندر حقیقتاً قرب ومحاذاۃ دونوں داخل ہیں"۔

اس پر گزارش ہے کہ یہاں آپ نے کھلا ہوا مغالطہ دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بین یدی کے معنی مطلقاً اَمام یا قدّام یعنی آگے کے ہیں۔ یعنی جہاں تک آدمی کی نظر پہونچے، خواہ وہ قریب ہو یا بعید، جیسے کہ ابھی ہم آیاتِ کریمہ، تفسیرات، لغات حدیث سے ثابت کر آئے۔ اب کہیں بَیْنَ یَدَی قریب پر صادق آئے گا، کہیں بعید پر، اپنے تعلقات کے لحاظ سے قریب یا بعید کسی کی تعیین ہوگی۔ یا کہیں مطلق رہے گا۔ نہ قریب کی تعیین ہوگی نہ بعید کی، آپ نے کشاف وغیرہ کی جو عبارتیں نقل کی ہیں۔ ان میں جلست کی وجہ سے بین یدی کے معنی میں قریب ہونے کا لحاظ کیا گیا ہے اور اذان میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں، اس لئے اذان کے ساتھ جب بین یدی ہوگا تو اس کے معنی میں قریب وہ بھی بمعنی اتصال ملحوظ نہ ہوگا۔ بلکہ اذان چونکہ مسجد کے اندر ممنوع ہے اس لئے داخلِ مسجد کی جتنی بھی حد ہوگی وہ اذان کے ساتھ مذکور بین یدی کی حد سے خارج ہوگی۔

مُفردات امام راغب سے آپ نے وہ تو نقل کیا اور آگے جو فرمایا تھا اُسے چھوڑ دیا۔ فرماتے ہیں۔

قال الذین کفروا لن نؤمن بھذا القرآن ولا بالذی بین یدیہ ای متقدّمالہ من الانجیل وغیرہ۔ | یعنی آیۂ کریمہ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ میں بَیْنَ یَدَی کے یہ معنی ہیں، اور جو قرآن سے آگے انجیل وغیرہ ہیں"۔

بولئے! اس آیت میں بَیْنَ یَدَی کے معنی میں قُرب ملحوظ ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو

پھر بَین یَدَی کے معنی میں قرب کا لحاظ ضروری ماننا کیسے درست ہوگا ——— اور پھر یہ تو فرمائیے کہ کسی کتاب سے کوئی عبارت یہ سمجھ کر نقل کرنا کہ یہ ہمارے مدعا کے مطابق ہے اور اسی کتاب میں وہیں کوئی عبارت ایسی ہو جو اپنے دعوی کا رد ہو، اسے چھوڑ دینا اگر کتر بیونت نہیں تو اور کیا ہے۔

پھلواروی صاحب لکھنے کو تو یہ لکھ گئے مگر ان کا ضمیر انہیں اس پر ملامت کر رہا تھا۔ مگر رسم و رواج کو بچانے کے لئے فرار کا یہ راستہ نکالا ——— (البتہ جو چیز قریب و محاذات میں ہوگی وہ اَمام ضرور ہوگی۔ اس لئے اس کو مجازاً اَمام و قُدام کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے لغات میں اس کے لئے اُمام و قُدام کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں) —

اس پر عرض ہے کہ جو معانی لغات میں تحریر ہوں، اور جو معانی قرآن و احادیث میں مراد ہوں ان کو اتنی آسانی سے مجاز نہیں بنایا جا سکتا۔ اصحابِ لغات الفاظ کے معانی حقیقیہ ہی لکھتے ہیں۔ اور اگر کہیں کسی لفظ کا معنی مجازی لکھتے ہیں تو وہ تشریح کر دیتے ہیں کہ یہ لفظ اس علاقہ سے فلاں معنی میں مجازاً استعمال ہوا ہے۔ لغات میں مذکورہ معانی کو محض اِدّعا سے مجاز قرار دینا صریح مکابرہ ہے۔ اور اس سے بھی بڑا مکابرہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے معانی کو بلا دلیل جبراً مجاز کہہ دیا جائے ——— علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے مراد ان کے معنی حقیقی ہی ہوتے ہیں امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

الخطاب القرآنی انما تعلقہ	خطابِ قرآنی کا تعلق مفہوم لغوی ہی کے
باعتبار مفهوم اللغوی لان الخطاب	اعتبار سے ہے اس لئے کہ لغت والوں سے
مع اهل تلک اللغة بلغتهم یقتضی	خطاب ان کی لغت میں اسی کو چاہتا ہے،
ذلک، والعرف انما یعتبر فی	عُرف کا اعتبار فقط لوگوں کی بول چال میں

معاملات الناس بعضهم لبعض الى الاطلاع على غرضهم واما فی امر بین العبد وربہ تعالیٰ فیعتبر فیہ حقیقۃ اللفظ لغۃ۔	ہوتا ہے تاکہ ان کی غرض معلوم ہو، اور جو معاملہ بندے اور اس کے رب کے مابین ہے اس میں صرف لغوی حقیقی معنے کا اعتبار ہے۔

اور یہی امام ملک العلماء نے بدائع الصنائع میں اور امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں فرمایا ——— ان ائمہ کرام کے ان ارشادات سے ثابت کہ قرآن کریم اور احادیث کریمہ کے الفاظ کے وہی معنی مراد ہیں جو حقیقی ہیں، نہ کہ مجازی۔ اور یہ آپ کو بھی تسلیم ہے کہ کچھ آیات اور احادیث میں بَیْنَ یَدَی کے معنی بے لحاظ قرب امام، قدام یعنی سامنے کے ہیں۔ تو ثابت کہ بَیْنَ یَدَی کے معنی اَمام و قدام بے لحاظ قرب حقیقی ہیں نہ کہ مجازی۔

زمخشری کی عبارت کا جواب

آیۂ کریمہ ——— لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ——— کے تحت کشاف میں جو کچھ ہے۔ اسے آپ نے اس کی دلیل بنایا ہے کہ بین یدی اَمام و قدام کے معنیٰ میں مجازاً آتا ہے ——— کیا عرض کروں، بہت افسوس ہوتا ہے کہ ایک حکم شرعی بیان کرتے وقت کیسی کیسی دھاندلی کی جاتی ہے۔

ناظرین غور کریں۔ کشاف میں ہے۔

وقد جرت هٰذه العبارة ههنا علیٰ سنن ضرب من المجاز وهو الذی یسمیہ اهل البیان تمثیلا۔	یہ عبارت یہاں مجاز کے ایک طریقے پر جاری ہے۔ جسے اہل بیان تمثیل کہتے ہیں

ناظرین تلاش کریں۔ اس عبارت میں یہ کہاں ہے کہ یہاں بَیْنَ یَدَی امام و قدام کے معنی میں ہے اور یہ معنی مجازی ہے۔ غالباً یہی نکتہ ہے کہ موصوف نے اس کا ترجمہ نہیں کیا کہ بھرم باقی رہے ——— یہ عبارت بے محل اور صرف بھرتی کے لئے لائے ہیں۔ تاکہ بے پڑھے عوام دھونس میں آجائیں کہ ہمارے حضرت نے بلا ثبوت

کوئی بات نہیں کہی ہے۔

اور اگر آپ کہیں کہ زمخشری کی مراد یہی ہے کہ اس آیت میں بَیْنَ یَدَی مجازاً اَمام و قدّام کے معنی میں ہے اور آپ اسے حق سمجھ رہے ہیں تو پھر اپنے ایمان کی خبر لیجئے۔ کیا اللہ تعالےٰ کے لئے بھی آگا پیچھا ہے۔ زمخشری لاکھ معتزلی سہی، مگر اتنا بڑا گدھا بھی نہیں تھا کہ ایسی بے تکی بات کہتا جس سے کال بھی نہ کٹے اور الٹے گردن بھی پھنسے، زمخشری کیا بتانا چاہتا ہے اگر ضرورت ہوئی تو آئندہ کبھی بتا دیا جائے گا۔

نتیجہ اب جبکہ آپ یہ ثابت نہ کرسکے کہ بین یدی کے معنی قریب و متصل کے ہیں تو فقہاء کے ارشادات بین یدی المنبر کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ اذانِ خطبہ منبر کے متصل ہو، اس لئے ــــــ لا یوذن فی المسجد۔ ویکرہ ان یوذن فی المسجد ــــــ کے لئے یہ قید اور تخصیص نہ ہوا۔ یہ ارشادات مطلق رہے، اور اپنے اطلاق سے اذانِ خطبہ کو بھی شامل، اس لئے یہ اپنی جگہ پر حق کہ اذانِ خطبہ بھی مسجد کے اندر مکروہ ــــ

آپ تو اس کے درپے ہیں کہ ــــ بَیْنَ یَدَیِ المنبر۔ میں بین یدی کے معنی قریب کے ہیں۔ اور فاتح شرح قدوری میں اس کی شرح یہ ہے ــــ ای فی حذائہ، یعنی منبر کے محاذی ــــ آپ ہماری نہیں مانتے اور فقہا کی ماننے کو تیار نہیں تو اپنے بزرگوں کی تو مانیں۔ بذل المجہود میں ہے۔

ولا منافاۃ بین قولہ بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین علی باب المسجد فان باب المسجد ھذا کان فی جھۃ الشمال فاذا جلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بَیْنَ یَدَی اور عَلیٰ بابِ المسجد کے درمیان منافاۃ نہیں، اس لئے کہ مسجد کا دروازہ شمال کی جہت میں تھا تو جب رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم منبر پر خطبے کے لئے بیٹھتے تو یہ دروازہ حضور کے سامنے

على المنبر للخطبة يكون هذا الباب قد امر فكونه بين يديه عام شامل لما كان في محاذاته او شيئا منحرفا الى اليمين او الشمال او يكون على الارض او الجدار — ہوتا۔ بین یدیہ عام ہے اسے بھی شامل ہے جو محاذات میں ہو، اور اسے بھی جو کچھ دائیں بائیں ہو، زمین پر ہو یا دیوار پر"۔

بولئے! آپ کی بات صحیح ہے یا آپ کے بزرگوں کی، یہ کہاں کی عقلمندی ہے، کہ اپنے کچھ بزرگوں کی رسم باقی رکھنے کے لئے دوسرے بزرگوں کو ٹھوکر ماری جائے۔

اور اگر اب بھی اطمینان نہ ہو تو اپنے علامہ لکھنوی کی مانیئے۔ عمدۃ الرعایہ میں ہے۔

قوله بين يدى اى مستقبل الامام فى المسجد كان او خارجه والمسنون هو الثانى بَیْنَ یَدَی یعنی امام کے سامنے خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر، اور اذانِ خطبہ مسجد کے باہر ہی مسنون ہے —— لیجئے آپ کے سب سے بڑے ملجا و ماویٰ نے آپ کا صفایا کر دیا۔ وہ صاف صاف لکھ گئے کہ بَیْنَ یَدَی کے معنی، سامنے کے ہیں — اور یہ سامنا مسجد کے باہر تک ممتد، تو ثابت کہ بَیْنَ یَدَی کے معنی قریب متصل باطل — اخیر میں —— المسنون هو الثانى —— کہہ کر آپ کی ساری چٹائی ڈھا دی — فرمائیے اب کیا ارشاد ہے؟۔

علامہ لکھنوی کے اس قول سے "۔ عند المنبر، على المنابر، اذان المنبر قريبا منه۔ سے آپ کے سارے استدلال کی قلعی کھل گئی۔ اس لئے کہ انکی وسعتِ نظر، دقتِ نظر کا مقتضیٰ یہ ہے کہ انہوں نے یہ سب عبارتیں دیکھی بھی، اور ان کا صحیح مطلب سمجھا بھی، پھر بھی بین یدی کو خارج مسجد تک کھینچ کر لے گئے۔ اور یہ بھی لکھ دیا کہ مسجد کے باہر ہی اذان خطبہ مسنون ہے۔

عِنْدَ کی بحث

اس کے بعد پھلواروی صاحب نے کچھ فقہ کی کتابوں کی وہ عبارتیں پیش کیں۔ جن میں عِنْدَ المنبر ہے۔ پھر بہت زور باندھا کہ عِنْدَ بمعنیٰ قریب ہے۔ لہٰذا ثابت کہ اذان خطبہ منبر کے متصل مسجد میں دی جائے۔ اگرچہ آپ نے متصل کا لفظ نہیں استعمال کیا ہے، لیکن آپ کی مراد یہی ہے ورنہ آپ کی

ساری محنت رائگاں ہو جائے گی۔ جیسا کہ ابھی مفصل آرہا ہے۔
اس پر ہمارا یہ کہنا ہے کہ عند حضور کے معنی میں ہے۔ جو حد نظر تک ممتد ہے۔
قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاوٰى۔	سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کے پاس جنۃ الماویٰ ہے

سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر ہے جیسا کہ مسلم شریف میں ہے۔ اور جنۃ الماویٰ ساتویں آسمان پر، دونوں کے مابین پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔ دوسری آیت میں ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو جب مکہ معظمہ کی وادی غیر ذی زرع میں رکھا تو یہ دعا کی۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔	اے میرے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد تیرے عزت والے گھر کے پاس ایک وادی میں بسائی ہے جس میں کھیتی نہیں ہوتی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو کعبہ کے باقی ماندہ نشانات سے چپکا کر رکھا تھا۔ اسی کا آپ جواب دیدیں تو فیصلہ ہو جائے۔ آپ بتائیں یا نہ بتائیں ہم سے سنئے۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

حتی وضعہما عند البیت عند دوحۃ فوق زمزم۔ (جلد ۱ ص ۴۷۴)	ان دونوں کو بیت اللہ کے پاس کے ایک بڑے درخت کے قریب زم زم کے اوپر رکھا۔

بئر زم زم بھی موجود ہے، کعبہ بھی موجود ہے۔ بتائیے کیا بئر زم زم اسی طرح دیوار کعبہ سے متصل ہے جیسے آپ لوگ مؤذن کو اپنے متصل کر کے اذان خطبہ دلاتے ہیں؟ جب

یہ نصِ قرآن اتنے فاصلے پر جو کعبۂ مقدسہ اور زمزم شریف کے درمیان ہے، عِنْدَ
صادق ہے تو عِنْدَ سے آپ کا اپنے مدعا پر دلیل لانا کیسے صحیح ہوگا۔
فرمائیے! اگر کسی مسجد کی حدا تنی ہو جتنا کعبہ اور بئر زمزم کا فاصلہ ہے یا اس سے
کم تو کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ اس مسجد میں خارج مسجد اذان دی جائے۔ اگر
ہاں تو عِنْدَ بمعنی قریب کہاں رہا؟ اور جب عِنْد اتنے فاصلے پر صادق تو اس سے زیادہ
پر صادق نہیں ہو سکتا اس کی کیا دلیل؟ بات صاف ہے کہ مسجد کتنی ہی وسیع ہوگی پانچ سو برس
کی مسافت نہ ہوگی۔ جب پانچ سو برس کی مسافت پر صادق تو بڑی سے بڑی مسجد کے
خارج پر ضرور صادق، اگر ابھی تسلی نہ ہوئی ہو تو مزید سنیئے۔

ہمارے ائمہ کرام نے کتب اصول میں تصریحات فرمائی ہیں کہ عِنْدَ حضور کے لئے
ہے یعنی شئی حاضر ہو غائب نہ ہو، تو عند المنبر کا بھی وہی حاصل جو بین یدی کا ہے۔ یعنی منبر
کے سامنے ہو آڑ میں نہ ہو۔ امام فخر الاسلام بزدوی اپنے اصول میں، اور امام صدر الشریعہ
مصنفِ شرح وقایہ تنقیح اور اس کی شرح توضیح میں فرماتے ہیں۔

عِنْدَ للحضوۃ۔ عِنْدَ حضور کے لئے ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی نے تلویح
میں اس پر تقریر فرمائی۔ امام اجل محقق علی الاطلاق نے اصول تحریر، اور امام ابن امیر
الحاج نے اس کی شرح تقریر میں فرمایا۔

عند للحضرۃ الحسیۃ نحو فلما راٰہ مستقرا عندہ والمعنویۃ نحو قال الذی عندہ علم من الکتاب۔

یعنی عِنْدَ حاضری کے لئے ہے چاہے وہ محسوس ہو جیسے سیدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حضور تخت بلقیس کا حاضر ہونا، یا معقول ہو جیسے آصف کے لئے علم کتاب کا حضور۔

امام اجل ابو البرکات نسفی اصول منار، اور اس کی شرح کشف الاسرار، اور علامہ
شمس الدین فناری الفصول البدائع، اور علامہ خسرو صاحب درر غرر، اپنے متن مرأۃ
الاصول میں فرمایا۔ عند للحضرۃ الحقیقیۃ او الحکمیۃ۔
علامہ محب اللہ بہاری مسلم الثبوت میں، اور ملک العلما بحر العلوم اس کی شرح،

فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں ـــــــ عند للحضرۃ الحسیۃ والمعنویۃ ـــــ
ان تصریحات سے ثابت کہ عِندَ کا مفاد صرف حاضر ہونا ہے۔ قرب و بعد مکانی اس میں کچھ شرط نہیں۔ اسی لئے علمائے عرب نے تصریح کی کہ عِندَ کا اطلاق قریب و بعید، دونوں پر آتا ہے۔ اس میں اور لَدَیٰ میں یہ فرق کیا کہ لَدَیٰ صرف قریب پر بولا جاتا ہے۔ اور عِندَ قریب و بعید دونوں پر، رضی شرح کافیہ جلد دوم ص ۹۸ پر ہے۔

عِنْدَ اَعَمُّ تَصَرُّفًا مِنْ لَدَیٰ	عِندَ استعمال میں لَدَیٰ سے عام ہے۔ اس
لان عند یستعمل فی الحاضر القریب	لیے کہ عِندَ حاضر قریب میں بھی استعمال کیا جاتا
وفیما ھو فی حوزتک وان کان	ہے اور اس میں بھی جو تیری حوزہ میں ہو اگرچہ
بعیدا بخلاف لدی فانہ لا	بعید ہو بخلاف لَدَیٰ کے کہ یہ بعید میں استعمال
یستعمل فی البعید ـ	نہیں کیا جاتا۔

اور سنیے اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ـــ

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ	بیشک سب پرہیزگار باغوں اور نہر میں،
فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ	سچی مجلس میں قدرت والے بادشاہ
مُّقْتَدِرٍ ـ	کے پاس ہیں۔

متقی ایک عامی مسلمان بھی ہے، پھر کہاں اس کا قرب، کہاں علماء کا، کہاں اولیاء کا، کہاں صحابہ کا، کہاں انبیاء کا، کہاں حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا، سب سے نیچی زمین اور سب سے اونچے آسمان کے مابین، جو فرق ہے۔ اس سے لاکھوں درجہ زیادہ یہ فرق ہے۔ مگر سب پر عِندَ صادق، ـــ

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ	فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے عرض کیا اے
بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ ـــ	میرے رب! میرے لئے اپنے پاس

جنت میں گھر بنا۔

کیا اس کا حاصل یہ ہے کہ سب انبیاء و مرسلین سے قریب تر، حاشا وکلاّ۔
بلکہ جو قرب ان بی بی کے لائق ہے اگرچہ انبیائے کرام تو انبیائے کرام حضرت خدیجہ و فاطمہ و عائشہ رضی اللہ تعالے عنہن کا قرب بھی ان سے زائد ہو۔

اور ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَہُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔	جو لوگ رسول اللہ کے حضور اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں۔

یہ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ بلاشبہ تمام حاضرانِ بارگاہ پر صادق ہے۔ صرف اس شخص کے ساتھ خاص نہیں، جو حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ملا ہوا چند انگل کے فاصلے پر ہو۔

اِن سب تصریحات کا حاصل یہ نکلا کہ عِنْدَ کی نہ تو اتصال پر دلالت ہے نہ کمال قرب پر، کہ عند المنبر سے یہ ثابت ہو کہ یہ اذان منبر کے قریب متصل ہونی چاہئے۔ اس کی وضع حضور کے لئے ہے۔ ہاں حضور فی نفسہٖ ایک نوع قرب ہے۔ لہٰذا اس کا ترجمہ نزد یا پاس کرتے ہیں۔ جس سے اتصال یا غایت درجہ قربِ مکانی سمجھنا کسی طرح درست نہیں۔

قرب خود امر اضافی ہے۔ ایک مکّی کہتا ہے ـــــ بَیْتِیْ عِنْدَ بَابِ السَّلَامِ میرا گھر باب السلام کے پاس ہے ـــــ اگرچہ باب السلام سے سوگز یا زیادہ کا فاصلہ ہو۔ تابعین نے فرمایا، ہم ام المؤمنین صدیقہ کے پاس تھے۔ کیا یہاں وہی معنی درست ہے جو آپ لوگ مراد لیتے ہیں۔ ایک شاگرد کہتا ہے ـــــ اقمت عند الشیخ ثلث سنین کوامل ـــــ میں نے تین سال کامل استاذ کے پاس قیام کیا ـــــ اگرچہ اسے محلہ کی مسجد میں ٹھہرایا ہو۔

اگر اب بھی تشفی نہ ہوئی ہو تو سنئے، کہ عند المنبر فقہا، کا ارشاد ہے۔ خود انہیں سے عِنْدَ کا معنی پوچھ لیجئے۔ کیا یہ انصاف ہے کہ ان کے قول کو سند بنایا جائے

اور لفظ کے جو معنی وہ بتائیں اسے رد کیا جائے۔ قدوری، ہدایہ، کنز، وغیرہا میں یہ مسئلہ ہے۔

واللفظ للکنز۔ من سرق من المسجد متاعا وربہ عندہ قطع۔ — جو مسجد میں سے کوئی چیز چرائے اور اس کا مالک اس کے پاس ہو، اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اس پر فتح القدیر، بحر الرائق، درمختار وغیرہا میں فرمایا۔

والنظم للدر، عندہ ای بحیث یراہ ـــــ عندہ کے یہ معنی ہیں کہ اس کا مالک ایسی جگہ ہو کہ وہاں سے دیکھ سکے ـــــ اتنی دور نہ ہو کہ دکھائی نہ دے ـــــ اس مسئلہ کی پوری تحقیق دیکھنا ہو تو مجدد اعظم اعلیحضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کا رسالہ مبارکہ ـــــ شمائم العنبر ـــــ کا مطالعہ کریں۔

اس کے بعد پھلواروی صاحب نے جامع الرموز ص ۱۱۸ کی عبارت پیش کی ـــــ مختصر الوقایہ میں فرمایا تھا ـــــ اذن ثانیا بین یدیہ ـــــ اس پر جامع الرموز میں لکھا ـــــ

ای بین الجہتین المسامتتین لیمین المنبر او الامام و یسارہ قریبا منہ — منبر یا امام کے دائیں بائیں کی مقابل، دونوں جہتوں کے درمیان اسکے قریب،

اس پر پھلواروی صاحب لکھتے ہیں ـــــ

"یہ اس بات کی محکم دلیل ہے کہ اس اذان کے سلسلے میں فقہا کا بَیْنَ یَدَی الامام کہنا اس کے اندرونِ مسجد ہونے کی صراحت کرنا ہے۔"

اس پر گذارش ہے کہ ابھی ہم قرآنِ مجید کی آیات اور فقہائے کرام کے ارشادات سے ثابت کر آئے کہ یہ قرب کبھی کبھی پانچ سو برس کی راہ پر بھی صادق، ایسی صورت میں قریباً منہ، سے اندرونِ مسجد پر استدلال کیسے درست ہے؟ آپ نے

راحت کا دعوی کیا ہے۔ اس سے اندرون مسجد ہونے کا اشارہ بھی نہیں ملتا۔
فقہ کی کتابوں میں یہ جزئیہ مذکور ہے۔

ان کان فی کرم او ضیعۃ یکتفی اذان القریۃ او البلدۃ ان کان قریبا و الا لا۔ وحد القریب ان یبلغ الاذان الیہ فیھا۔ کذا فی مختار الفتوی۔

اگر کوئی باغ یا کھیت میں ہو تو بستی یا شہر کی اذان کافی ہے، اگر قریب ہے ورنہ نہیں، اور قریب کی حد یہ ہے کہ اذان سُنے۔

عالمگیری۔ ص ۲۸۔

٭ ٭ ٭ ٭

فرمائیے! قریبا منہ سے منبر کے متصل یا داخل مسجد پر استدلال کہاں پہونچا؟۔
بات یہ ہے کہ قرب اضافی چیز ہے۔ وہ اپنے متعلقات کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ وزیر و دربان کا بادشاہ سے قرب یکساں نہیں۔ وزیر بادشاہ کے پہلو بیٹھتا ہے دربان دروازے پر رہتا ہے۔ دربان کے قرب کی اخیر حد دروازہ ہے،
اگر اب بھی نہ سمجھ میں آیا ہو تو سنیئے! کہیں کسی نے پوچھا پھلواری شریف کہاں ہے، ں نے بتلا دیا کہ پٹنہ کے قریب، بلکہ پٹنہ ہی میں ۔ اگر کسی نے پوچھا پھلواری شریف کتنی دور ہے، تو اس کے جواب میں یہ کہنا صحیح ہے، قریب ہی ہے۔ حالانکہ ۔ اور پھلواری شریف میں میلوں کا فاصلہ ہے ——— ان سب سے ظاہر ہو گیا، کہ ب اپنے متعلقات کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، ہر شئی کے قرب کی حد اپنے متعلقات لحاظ سے متعین ہو گی ——— اب ہمیں دیکھنا ہے کہ مؤذن کے قرب کی حد کیا ہے فقہاء نے فرما دیا کہ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے، مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے تو معلوم ہوا کہ مؤذن اذان کی حالت میں مسجد میں داخل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کی حد خارج مسجد ہے۔ اب قریبا منہ کا مطلب یہ ہوا کہ مؤذن اپنی حد میں رہ کر منبر سے جتنا قریب ہو سکتا ہے وہاں اذان دے اور ظاہر ہے کہ بہ نسبت اور جہات کے خارج مسجد کا وہ حصہ جو منبر کے محاذات میں ہو گا، منبر سے زیادہ قریب ہو گا ——— تو اعتبار مآل یہ بھی محاذات ہی کی ایک تعبیر ہے۔

اخیر میں پھلواروی صاحب نے پھر وہی اِدّعا کیا ہے جو بَینَ یَدَی میں کر چکے ہیں، "البتہ مجازاً صرف حضور کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے" اور اس پر وہی گذارشات ہیں جو بَینَ یَدَی کی بحث میں گذر چکیں کہ محض اِدّعا سے کوئی معنیٰ مجاز نہیں بن جاتا۔ اسکے لئے دلیل چاہیئے۔ اور نہ آپ نے وہاں کوئی دلیل دی اور نہ یہاں ——— اور اگر آپ کو یہ ضد ہو کہ بَینَ یَدَی اَمَام و قدّام کے معنی میں اور عِندَ حضور کے معنی میں مجاز ہے تو بھی ہماری گذارش سُن لیجئے! قرینہ کی قسموں میں ایک قرینہ عقلیہ ہے۔ جب داخلِ مسجد اذان کا محل ہی نہیں۔ تو عند المنبر سے آپ کا معنی حقیقی درست نہ ہوگا۔ اس لئے معنی مجازی کی طرف عدول لازم ہوگا۔ اور وہ بقول آپ کے اَمَام و قدّام و حضور ہے' آپ نے اِدّعا محض بھی کیا پھر بھی آپ کا مدّعا ثابت نہ ہوا۔ فقہائے کرام کے ارشادات کے معانی میں تحریف آسان نہیں۔

اس کے بعد پھلواروی صاحب نے مبسوط وغیرہ کی وہ عبارتیں پیش کیں، جس میں اس اذان کے لئے علی المنبر یا اذان المنبر کا لفظ آیا ہے۔ مگر چونکہ خود جناب موصوف نے علیٰ کو با کے معنی میں اور با کو قریب کے معنی میں لیا ہے۔ اسی طرح اذان المنبر میں قرب محذوف مانا ہے تو خود ان کی تحقیق کے مطابق ان دونوں کا حاصل وہی نکلا جو قریبًا منہ کا ہے۔ اور ابھی گذرا کہ قریبًا منہ کا جو معنی یہاں مراد ہے وہ ہمیں مُضر نہیں۔ اور جو آپ مراد لیتے ہیں وہ صحیح نہیں۔ نیز اس کا بھی احتمال ہے کہ یہاں محاذات محذوف ہو۔ یعنی علیٰ محاذاۃ المنبر یا اذان محاذاۃ المنبر ——— اضافت کے لئے ادنیٰ ملابست کافی ہے تو اس کا حاصل وہی ہوا، جو بَینَ یَدَی کا ہے۔

اس کے بعد موصوف نے پہلے بڑی عرق ریزی کی کہ اقامت کی جگہ اندرونِ مسجد ہے اس پر بلا ضرورت بھرتی کے لئے عبارت پر عبارت نقل کرتے چلے گئے تاکہ حوالہ جات کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو جائے۔ پھر اس کے بعد نور الایضاح کی یہ عبارت لائے۔

سنن الخطبۃ ثمانیۃ عشر شیئًا ، الطہارۃ والجلوس علی المنبر
قبل الشروع فی الخطبۃ والاذان بین یدیہ کالاقامۃ ۔
پھر لکھا "تشبیہ دونوں کے قریب امام ہونے میں دی گئی الخ"۔
کیا عرض کروں اگر تشبیہ امام کے قریب ہونے میں تھی تو پہلے جو عبارتیں نقل کیں
ن کی کیا حاجت تھی ۔ تشبیہ صحیح ہونے کے لئے وجہ شبہ کا مشبہ بہ میں پایا جانا ضروری
ہ آپ کسی فقہ کی کتاب سے اس کا ثبوت دیدیں کہ اقامت کا امام کے قریب ہونا مسنون
تحب ہے ۔ پھر مصنف اپنی مراد دوسروں سے زیادہ جانتا ہے ۔ یہی علامہ شرنبلالی
د الفتاح میں اسی نور الایضاح کی شرح کبیر میں فرماتے ہیں ۔

والاذان بین یدیہ	خطیب کے سامنے اذان اقامت کی طرح
اقامۃ سنۃ ص ۳۲	سنت ہے ۔

جب متکلم نے خود وجہ شبہ بیان کر دی کہ وہ سنت ہے تو آپ کو بھینس کے انڈے
نکالنے کی کیا حاجت ؟ ـــــــ آگے لکھتے ہیں ۔ (علامہ شرنبلالی اس کے
اقامت قریب امام ہونے کو سنتِ متوارثہ قرار دے رہے ہیں)
لطف یہ ہے کہ مراقی الفلاح کی آپ نے جو عبارت نقل کی ہے وہ یہ ہے ـــــ
الاذان بین یدیہ جری بہ التوارث کالاقامۃ بعد الخطبۃ ـــــ
ی الفلاح ص ۲۸۰) ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے ۔ اور خطیب کے سامنے اذان اسی پر توارث
ی ہے جیسے خطبے کے بعد اقامت ۔
ناظرین انصاف کریں ۔ اس میں قریب امام ہونا کس لفظ کا ترجمہ ہے ۔ غالبًا یہ موصوف
دیوبندی استادوں نے سکھایا ہے کہ جب اپنے مدعا پر کوئی دلیل نہ ملے تو اپنی
ف سے گڑھ کر علمائے کرام کے سر منڈھو ـــــ اور ہاتھ کی صفائی یہ دکھائی کہ
الایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح کی عبارتوں کو اس طرح لکھا کہ معلوم ہوتا ہے
سب شرح ہی کی عبارت ہے ۔
اس عبارت میں ـــــ والاذان بین یدیہ کالاقامۃ ۔ نور الایضاح

کی عبارت ہے ——— اور جری بہ التوارث ——— اوربعد الخطبۃ۔ مراقی الفلاح کی عبارت ہے۔ جب مصنف نے خود وجہِ شبہ بتا دی کہ اذان بَیْنَ یَدَی کو اقامت کے مثل مسنون ہونے میں کہا گیا ہے تو بات صاف ہو گئی کہ تشبیہ قریب ہونے میں نہیں ——— علامہ شرنبلالی صرف اذان بَیْنَ یَدَیہ کو فرمارہے ہیں کہ اسکے ساتھ توارث جاری ہے کہ یہ خطیب کے سامنے ہونی چاہئے، نہ قریب امام ہونا مذکور ہے اور نہ اس کے متوارث اور غیر متوارث ہونے کا یہاں ذکر ہے۔ نہ ہی یہ قابل تسلیم امر ہے کہ اذانِ خطبہ کی طرح اقامت بھی امام کے آگے، یعنی رو برو، اور قریب سے قریب ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس پر عمل در آمد ہونے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو خطیب کی طرح امام نماز، محراب یا صف اول میں قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھے اور مکبر اسکی طرف رخ کر کے اقامت کہے۔ یا امام اپنی جگہ رُو بہ قبلہ ہو اور مکبر اس کے آگے جاکر قبلہ کی طرف بیٹھ اور امام کے منہ کی طرف منہ کر کے اقامت کہے۔

بتائیے! فقہ کی کسی کتاب میں یا دنیا کے کس گوشے میں بطور سنت اس پر عمل درآمد مذکور یا موجود ہے؟ ———

تَوارُث کی بحث

پھلواروی صاحب نے تو کم لیکن رام پوری و بدایونی علماء نے اور انہیں سے سیکھ کر ——— القول الاظہر ——— میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے کہ اذان خطبہ کا مسجد کے اندر ہونا وہ بھی منبر کے متصل خطیب کے سر پر متوارث ہے۔ اس پر گذارش یہ ہے کہ توارث وہی حجت ہے جو عہد صحابہ اور مجتہدین سے الیٰ یومنا ھٰذا ہو ———

ردالمحتار خاص باب الجمعہ میں فرمایا۔

لا عبرۃ بالعرف الحادث اذا خالف النص التعارف انما یصلح	عرفِ حادث کا اعتبار نہیں جب نص کے مخالف ہو، رواج اسی وقت جواز کی دلیل ہے

ليلاً على الحل اذا كان عاماً من عهد الصحابة والمجتهدين كما صرحوا به۔ (اوّل ص ۵۵۱)

جب زمانۂ صحابہ ومجتہدین سے عام طور پر چلا آیا ہو۔ جیسا کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے

اسی میں بعض محققینِ شافعیہ سے نقل فرما کر مقرر رکھا۔

هذا الاجماع اكثری وان سلم فحل حجيته عند صلاح الازمنة حيث ينفذ فيها الامر بالمعروف والنهی عن المنكر وقد تعطل ذلك منذ ازمنة۔

یہ لوگوں کا اتفاق اکثر کا ہے کل کا نہیں، اور اگر مان بھی لیا جائے کہ سب کا ہے تو عام رواج نیک زمانوں کا حجت ہے جن میں بھلائی کا حکم اور برائی سے ممانعت چلتی ہے اور اب یہ مدتوں سے معطل ہے۔

نیز ردالمحتار اور فتاویٰ غیاثیہ اواخر کتاب الاجارہ میں سید امام شہید رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔

انما يدل على الجواز ما يكون على الاستمرار من الصدر الاول فاذا لم يكن كذلك لا يكون فعلهم حجة الا اذا كان من الناس كافة فی البلدان كلها الا ترىٰ انهم لو تعاملوا على بيع الخمر وعلى الربوا لا يفتى بالحل۔

رواج وہی دلیل جواز ہے جو زمانۂ صحابہ سے برابر چلا آتا ہو ورنہ لوگوں کا فعل کچھ حجت نہیں مگر جبکہ تمام جہاں کے مسلمان تمام جہان کے شہروں میں اس پر عامل ہوں، کیا نہیں دیکھتے کہ اگر لوگوں میں شراب بیچنے اور سود کا عام رواج ہو جائے تو اس سے انکے جواز پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔

آئیے! اب ہم آپ کو بتائیں کہ مسجد کے اندر اذانِ خطبہ دینے کا رواج نہ عہدِ رسالت میں تھا نہ عہدِ صحابہ میں، نہ عہدِ تابعین میں اور آج بھی پوری دنیا کے مسلمانوں میں اس کا رواج نہیں ـــــ فتوے میں مذکور حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے زمانہ میں یہ اذان مسجد کے باہر مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی اور بعد

میں بھی یہ اذان وہیں ہوتی رہیں۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان زَوراء پر دلوائی۔ مگر یہ اذانِ خطبہ وہیں رہنے دی، جہاں پہلے ہوتی تھی۔ ابو داؤد کی حدیث کے اخیر کلمات یہ ہیں ـــــ فَثَبَتَ الۡاَمۡرُ عَلٰی ذٰلِكَ اور ذٰلك، کا مشارٌالیہ مذکور ہے۔ اور مذکور میں اذانِ خطبہ ـــ عَلٰی بَابِ الۡمَسۡجِدِ ـــ بھی ہے۔ اس لئے اس حدیث سے ثابت کہ زَورا ء پر اذانِ اول کے اضافے کے باوجود یہ اذانِ خطبہ بابِ مسجد پر ہوتی رہی ـــــ اس روایت کے الفاظ کریمہ یہ ہیں'

کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر ثم ساق نحو حدیث یونس (ای) فلما کان خلافۃ عثمان وکثر الناس امر عثمان یوم الجمعۃ بالاذان الثالث فاذن بہ علی الزوراء فثبت الامر علی ذلك (ابوداؤد)	جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو سرکار کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔ جب حضرت عثمان کی خلافت ہوئی، اور لوگ زیادہ ہوگئے تو حضرت عثمان نے جمعہ کے دن تیسری اذان کا حکم دیا تو اسے زَوراء پر دیا گیا۔ اس کے بعد اسی پر عمل ثابت رہا۔

اگر کسی کو اس میں کلام ہو کہ ذلك کا مشارٌالیہ المذکور نہیں بلکہ زَوراء کی اذان ہے، تو گذارش ہے ـــ

اولاً: اصل اِبْقَاءُ مَاکَانَ عَلٰی مَاکَانَ ہے۔ تو جب یہ ثابت کہ یہ اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی تو جب تک اسی درجہ کی دلیل سے یہ ثابت نہ ہو کہ دروازے سے ہٹا کر منبر کے متصل اس کو کر دیا گیا، یہی ثابت رہے گا کہ یہ اپنی جگہ رہی۔ اصل کے خلاف دلیل ضروری ہے ـــ

ثانیًا: اگر یہ اذان دروازۂ مسجد سے ہٹا کر منبر کے متصل لے جائی گئی ہوتی، تو
ں ضرور مذکور ہوتا۔ اس لئے کہ صحابہ و تابعین نے اس سے بھی غیر اہم چھوٹی چھوٹی باتوں
التفصیل ذکر کیا ہے پھر اس کو کیوں چھوڑ دیا۔
ثالثًا: جو فعل حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اور شیخین سے ثابت ہو اس کے تبدیل
جرأت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے اس لئے ماننا پڑے گا کہ زورا
ذان کے اضافے کے بعد بھی یہ اذان وہیں رہی جہاں عہد رسالت سے ہوتی آئی
ں۔ مسجد حرام شریف میں یہ اذان آج بھی کنارۂ مطاف پر ہوتی ہے۔ اصل فتوے میں
یا جا چکا ہے کہ مسجد حرام مطاف ہی تک تھی۔ یہ کس کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ مسجد نبوی
ں تو یہ اذان منبر کے متصل کر دی گئی، اور مسجد حرام میں وہیں باقی رکھی۔ جہاں عہد
سالت سے ہوتی آئی تھی۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے نزدیک اس اذان کا محاذاۃ امام میں
ا ضروری نہیں بلکہ یہ بھی دوسری اذانوں کی طرح وہیں دی جائے، جہاں سے پڑوسیوں
ہ یادہ سنائی دے مثلاً منارے پر، اس کے مطابق بلاد مغرب میں یہ اذان مناروں
ہوتی ہے ——— علامہ اسکندری مالکی، پھر علامہ یوسف سفطی مالکی حاشیہ جواہر زکیہ
رح مقدمہ عشماویہ ص ۱۸۸ میں فرماتے ہیں۔

الاذان الثانی کان علی المنار	اذانِ ثانی زمانۂ سلف میں منارہ پر تھی اور
المزمن القدیم وعلیہ اھل	اہل مغرب آج تک اسی روش پر ہیں اس کا
غرب الی الاٰن وفعلہ بین یدی	امام کے سامنے کہنا مکروہ ہے جیسا کہ امام برزلی
ﻻمام مکروہ کما نص علیہ البرزلی	نے تصریح کی اور بیشک امام مالک نے اس کی ممانعت
قد نھی عنہ مالک	فرمائی

اس سے ثابت کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا یہ عمل نہیں کہ یہ اذان منبر کے متصل دی
ائے اس لئے توارث کو اس کی دلیل بنانا باطل۔
رہ گیا پھلواروی صاحب کا یہ قیاس کہ ——— حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

کی طرف ایسی لغو بات کی نسبت نہیں کی جا سکتی کہ حاضرینِ مسجد کو خبردار کرنے اور ان کو خاموش کرنے کے لئے اذان ہو۔ اور وہ اسے مسجد کے اندر دلوانے کے بجائے مسجد کے باہر دلوائیں؟

اس پر گذارش ہے۔

اولاً: قیاس سے تاریخ ثابت کرنا کسی دانا، بینا انسان کا کام نہیں۔ چہ جائیکہ کسی مسلمان کا، وہ بھی مدعیِ ارشاد و فتویٰ کا۔

ثانیاً: یہ بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ یعنی اس قیاس فاسد کی بنیاد اس خیال فاسد پر ہے کہ آپ نے اذانِ خطبہ کو اعلامِ غائبین کے لئے ماننے سے انکار کر دیا ہے لیکن جبکہ آپ کے معتمد و مستند، مرجع عقیدت علامہ لکھنوی کے ارشاد سے نیز دیگر ائمہ احناف کے اقوال سے ہم نے ثابت کر دیا کہ یہ اعلام غائبین کے لئے بھی ہے۔ تو خود آپ ہی کی منطق سے لازم کہ یہ اذان خارج مسجد اعلامِ غائبین کے لئے ہو، پھر اسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسجد کے اندر منبر کے متصل دلائیں۔ تو یہ ایک لغو بات ہو گی — اس کے بعد آپ اپنی پوری عبارت تھوڑے تغیر کے ساتھ دہرا لیجئے۔

کتنا بڑا ظلم ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت شدہ سنت کے خلاف اور فقہائے احناف کے متفقہ فیصلے کے برعکس ایک رسم و رواج کو ثابت کرنے کے لئے آپ نے کیا کیا، کیا۔ مگر پھر بھی کچھ کام نہ چل سکا۔

علامہ عینی پر افترا

آخر میں پھلواروی صاحب نے علامہ عینی پر یہ افترا کیا ہے کہ شرح ہدایہ میں انہوں نے ایسی عبارت تحریر کی ہے جس سے صراحتہً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اذانِ اول کے بعد قریب منبر اذان کا تعامل حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد ہی سے ہے۔ اور وہ عبارت یہ ہے۔

بذلك ای بالاذان بین یدی المنبر بعد الاذان الاول علی المنارة جری التوارث	منبر کے سامنے والی اذان کا منارہ والی پہلی اذان کے بعد ہونا۔ عثمان بن عفان

من زمن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ الیٰ یومنا ھٰذا۔ رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے آج تک متوارث ہے۔

ناظرین غور کریں اور انصاف بھی، علامہ عینی تو صرف یہ فرمارہے ہیں کہ منارہ والی اذان کا پہلے ہونا اور خطیب کے سامنے والی اذان کا بعد میں ہونا، یہ ترتیب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے چلی آرہی ہے۔ خطیب کے سامنے تو اذانِ خطبہ عہدرسالت ہی سے ہوتی آئی ہے۔ اس کو خطیب کے سامنے کرنے کی نسبت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف حدیثِ صحیح کی رو سے باطل ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے زوراء پر اذان کا اضافہ کیا۔ یہ اذان پہلے کہلائی اور خطیب کے سامنے والی بعد میں کہلائی یہ ترتیب یقیناً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے۔ تو یہی ان سے متوارث ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے، شرح ہدایہ کی اس عبارت میں — بین یدی المنبر — اور حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی — بین یدی ہے — جیسے حدیث میں بَیْنَ یَدَی منبر کے متصل ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اسی طرح یہ شرح ہدایہ کی اس عبارت میں بھی — بین یدی متصل ہونے کے معنی میں نہیں، پھر یہ کہنا کہ یہ عبارت اس پر صراحتہً دلالت کرتی ہے کہ حضرت عثمان کے زمانے سے یہ تعامل ہے کہ اذان منبر کے قریب ہو، صراحتہً باطل ہے'

فتوے پر تنقیدات کا جائزہ

پھلواری صاحب نے اصل فتوے پر تنقید کرتے ہوئے لکھا —

"فاضل امجدی فرماتے ہیں کہ عہد عثمانی میں بھی اذانِ ثانی بابِ مسجد پر ہوتی رہی، اس کے لئے شرح مواہب للزرقانی کی ایک عبارت پیش کی ہے، کہ اس میں ہشام بن عبدالملک کے بارے میں ہے — وجعل الآخر الذی بعد جلوس الخطیب علی المنبر بین یدیہ

بمعنی انہ ابقاہ بمکانہ الذی یفعل فیہ فلم یغیرہ"۔
اِس عبارت میں اگر بَیْنَ یَدَی کے ساتھ علی باب المسجد بھی مذکور ہوتا تو موصوف کا دعویٰ ثابت ہوتا۔ مگر اس میں کسی ایسی چیز کا ذکر نہیں ہے یا پھر ممکن ہے کہ موصوف نے لفظ بَیْنَ یَدی کو ہمیشہ کے لئے سو ہاتھ کی دوری کے لئے خاص کر دیا ہے"۔
اس پر گذارش ہے کہ
اوّلاً: یہ آپ کی خصوصی مہربانی ہے۔ فتوے میں تھا قریب قریب سو ہاتھ کے قریب قریب کو نذرانہ سمجھ کر جیب میں ڈال لیا۔
ثانیاً: مسجد اقدس عہد رسالت میں سو ہاتھ لمبی سو ہاتھ چوڑی تھی۔ منبر کی مقدار زیادہ سے زیادہ چار ہاتھ نکال دیجئے۔ تو چھیانوے ہاتھ بچتے ہیں۔ کیا چھیانوے ہاتھ قریب قریب سو ہاتھ کے نہیں؟۔
ثالثاً: آپ لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ بَیْنَ یَدَی کے معنی ایسے قریب کے ہیں جو متصل ہو۔ فتوے میں اسی کو رد کیا گیا ہے کہ حدیث میں بَیْنَ یَدَی قریب قریب سو ہاتھ تک ممتد اس لئے آپ لوگوں کا یہ دعویٰ کہ بَیْنَ یَدَی کا معنی قریب متصل ہے" باطل ہے۔ اس کا جواب تو آپ سے نہ ہو سکا۔
رابعاً: یہ اذان عہد عثمانی میں بھی باب مسجد ہی پر رہی۔ دہاں سے ہٹائی نہیں گئی۔ جس کو ابھی ثابت کیا گیا ہے۔ اور جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر ہشام کے عہد تک کہیں سے ثابت نہیں کہ اسے وہاں سے ہٹایا گیا ہو، — اور زرقانی کی اس عبارت میں تصریح ہے کہ ہشام نے اس کو وہیں باقی رکھا جہاں پہلے ہوتی تھی تو زرقانی کی اس عبارت سے ضرور ثابت ہوا کہ ہشام کے عہد میں بھی یہ اذان وہیں ہوتی رہی جہاں عہد نبوی میں ہوتی تھی۔
اسی سے آپ لوگوں کے توارث کے دعویٰ کی قلعی کھل گئی۔ ہشام کا دور حکومت ۱۰۵ھ سنہ لغایت ۱۲۵ھ سنہ رہا ——— یہ تابعین کا اخیر دور تھا۔ اور تبع تابعین کا دور

شروع ہو چکا تھا۔ جب یہ اذان تبع تابعین کے دور تک منبر کے متصل نہ ہوئی تو اب اگر ہندوستان کی کچھ مسجدوں میں یہ اذان منبر کے متصل ہو رہی ہے تو یہ دلیلِ جواز کب ہے

اَلْمَسْنُوْنُ ھُوَ الثَّانِیْ

آپ نے جناب مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ علامہ لکھنوی جیسا وسیع النظر عالم جن کی وسعتِ نظر اور دقتِ فکر کا سارا عالم معترف ہے۔

انہوں نے عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں تحریر فرمایا۔

قولہ بین یدیہ ای مستقبل الامام فی المسجد کان او خارجہ والمسنون ھو الثانی۔	بَیْنَ یَدَیْہِ کے معنی امام کے سامنے ہے یہ داخلِ مسجد اور خارج مسجد دونوں کو شامل ہے اور مسنون ثانی ہے (یعنی خارج مسجد)

اگر واقعی پھلواروی صاحب کو علامہ لکھنوی سے وہی عقیدت ہے جو انہوں نے ظاہر کی ہے تو انہیں ان کے اس فیصلے کو بلا چون وچرا مان لینا چاہئے۔

علامہ لکھنوی کے اس قول سے دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ بَیْنَ یَدَیْ کے معنی قریب متصل کے ہرگز نہیں۔ بلکہ محاذاۃ اور سامنے کے ہیں اور وہ خارجِ مسجد تک ممتد ہے۔ دوسرے یہ کہ اذانِ خطبہ میں سنت یہی ہے کہ مسجد کے باہر ہو جس سے صراحۃً ثابت کہ مسجد کے اندر دینا خلاف سنت ہے، اور ہر خلافِ سنت بدعتِ سیئہ اور کسی بھی بدعتِ سیئہ کا ارتکاب کم از کم مکروہ تحریمی اور گناہ ضرور ہے۔ اگر انصاف ہو تو علامہ لکھنوی کی یہ عبارت اس مسئلے میں قولِ فیصل ہے۔ لیکن جب انسان کسی رسم کو چھوڑنا نہ چاہے اور اس پر اڑا ہی رہنا چاہے تو اس کے لئے سو بہانے ہیں ——انسان کی زبان تو قیامت کے دن اور محشر کے سامنے بھی بند نہ ہوگی۔ پھر علامہ لکھنوی کے سامنے بند نہ ہوئی تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ کتبِ فقہ میں مسنون واجب اور فرض کے مقابل بولا

جاتاہے، لیکن پھلواروی صاحب اس کی تاویل میں لکھتے ہیں کہ:۔

مسنون اور سنت کے الفاظ جس طرح فرض و واجب کے مقابلے میں آتے ہیں، اسی طرح مسنون ومعہود کے الفاظ کبھی کسی ایسے کام کے لئے استعمال ہوتے ہیں جو عہد نبوی میں ضرور عمل میں رہا ہے مگر بعد میں اس پر تعامل نہ رہا ہے۔ مثلاً مواہب اللدنیہ میں ہے ——— ویحرم السعی (الاشتغال عن السعی) عند اذان جلوس الخطبۃ و ھو المعھود فلما کان عثمان وکثروا امر باذان علی الزوراء (مواہب ص۲۴۸ ج۲) وھو المعھود کی تشریح علامہ زرقانی کرتے ہیں۔ ای فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن فی زمانہ یوذن علی المنار وبین یدیہ کما یفعل الیوم۔"

ہم نے صاحبزادہ موصوف کی پوری عبارت مع دعویٰ و دلیل نقل کر دی۔ ناظرین خود فیصلہ کریں۔

اوّلاً: مسنون کے دوسرے معنی کہاں ہیں۔ مسنون منقول شرعی ہے۔ فقہاء ومحدثین میں سے کسی نے مسنون کے یہ معنی تحریر کئے ہیں۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو اپنی خود ساختہ اصطلاح لیکر فقہاء کے کلمات کو اس کا جامہ پہنانا کہاں کی دیانت ہے؟۔

ثانیاً: اس عبارت سے موصوف کا دعویٰ کیسے ثابت ہو رہا ہے، وہ در بطن شاعر ہے۔ پوری عبارت میں مسنون کا کوئی لفظ نہیں، ہے تو معہود کا۔

ثالثاً: آپ نے مسنون کے اس دوسرے معنی میں یہ بھی داخل کیا ہے۔ "مگر بعد میں اس پر تعامل نہ رہا ہو"۔

بتائیے! کیا خطبہ کے وقت کی اذان اب بند ہے ——— بحمدہ تبارک وتعالیٰ اذانِ خطبہ آج بھی ہو رہی ہے۔ تو خود بقول جناب اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ معہود سے مراد وہ کام ہے جو عہد رسالت سے لیکر آج تک ہو رہا ہے۔ اور اب آپ کو تسلیم کہ عمدۃ الرعایہ کی اس عبارت میں مسنون بمعنی معہود، تو ثابت کہ اذانِ خطبہ کا

سجد کے باہر ہونا عہد رسالت سے لیکر آج تک باقی ہے۔ اس نکتے کو آپ سمجھ رہے
تھے اسی وجہ سے اس عبارت کا ترجمہ نہیں فرمایا۔
اس کے بعد صاحبزادہ موصوف نے باجی کی شرح مؤطا ص ۸۹ کی عبارت پیش کی
ہے ـــــــ قولہ واذن المؤذنون یقتضی ان الاذان کان عند
جلوس عمر علی المنبر وھی السنۃ ـــــــ کیا عرض کروں، دار الافتار اگر
ایسے ہی دقیق النظر پیرزادگان کے قبضے میں ہوگا تو کارِ افتار تمام خواہد شد۔
موصوف نے ازراہِ زیرکی اس عبارت کا بھی ترجمہ نہیں کیا ہے کہ بے پڑھے
لکھے عوام میں بھرم باقی رہے۔ ناظرین ترجمہ سنیں۔ ان کا قول اَذَّنَ المؤَذِّنُونَ
یہ چاہتا ہے کہ حضرت عمر کے منبر پر بیٹھنے کے وقت اذان تھی اور یہ سنت ہے"ــــ
کوئی فاضل موصوف سے پوچھے، کیا آج خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت اذان نہیں
ہوتی کیا آپ لوگوں نے اب مسجد کے باہر سے اندر لاکر اسے بھی ختم کر دیا ہے۔ آپ نے ختم
کیا ہے یا نہیں، یہ آپ جانیں بحمدہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں نے اسے باقی رکھا ہے
اور آج بھی عہد رسالت وعہد خلافت کی طرح یہ اذان ہو رہی ہے۔ اس پر تعامل ختم
نہیں ہوا ہے۔ ایسی صورت میں یہ عبارت آپ کے مدعا کی دلیل کیسے ہے؟۔
ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فتوے کا مَنصَب مسلمانوں کی صحیح رہنمائی
کا تھا مگر آپ مسلمانوں کی آنکھ میں دھول جھونک رہے ہیں۔ جو عبارت آپ کے مدعا
کا رد ہے اسے اپنی تائید میں پیش کر رہے ہیں۔ کیا اسی کا نام ہدایت وارشاد
ہے؟ ـــــــ
اس کے بعد پھلواروی صاحب نے سعایہ اور سباحۃ الفکر کی عبارتوں کا سہارا
لیکر یہ لکھا ہے۔
"دوسرا مفہوم ان کتابوں کے موافق ہوگا کہ عہد نبوی میں تو خارج مسجد یہ

اذان تھی، مگر اذانِ اول کے اضافے کے بعد اس کا حکم بدل گیا، اور یہ داخلِ مسجد ہونے لگی۔

اولاً: سبحان اللہ! آپ کے علامہ لکھنوی کو یہ اختیار کہاں سے مل گیا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی سنتِ کریمہ کو بدل دیں۔ اور جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ کریمہ کو بدلے آپ اس کی تقلید کر سکتے ہیں، کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔

ثانیاً: سعایہ اور سباحہ کی عبارتوں سے وہ ثابت ہو رہا ہے اور جو عمدۃ الرعایہ میں فرمایا۔

وھذا الاذان لاطلاع الحاضرین	یہ اذان حاضرین کی اطلاع اور مسجد میں غیر
واحضار الغائبین عن المسجد	موجود لوگوں کو حاضر کرنے کے لئے ہے۔

یہ کاہے پر قرینہ ہے۔ خصوصًا ایسی صورت میں کہ علامہ لکھنوی صاحب کی یہ دونوں عبارتیں عمدۃ الرعایہ میں ساتھ ہی ساتھ ہیں۔

چلئے! اگر ہم آپ کی ضد کی وجہ سے مسنون کے وہ دو معنی مان بھی لیں جو آپ نے اختراع کئے ہیں تو عمدۃ الرعایہ میں اس کے متصل والی عبارت خود آپ ہی کے طرز پر اس پر قرینہ ہے کہ یہاں مسنون کا معنی فرض و واجب کا مقابل ہے۔

پھر تنہا یہ بات علامہ لکھنوی ہی کی نہیں، بلکہ ہم اوپر ثابت کر آئے کہ ائمہ احناف متفق اللفظ ہو کر یہ بتا رہے ہیں کہ یہ اذان بھی اعلامِ غائبین کے لئے ہے، یہ کاہے پر قرینہ ہے۔

آپ نے القول الاظہر کا نام لیکر خواہ مخواہ اپنی حیثیت عرفی ظاہر فرما دی۔ کسی کی بات اور وہ بھی ایسے شخص کی طرف منسوب بات جس نے پوری زندگی ارسطو و ابن سینا کی زق زق، بق بق میں گذاری ہو۔ پڑھنے کے بعد پہلے اس کو تول لینا چاہیئے کہ صحیح ہے یا غلط، محض اس بنیاد پر کہ ایک شخص اس مسئلے میں آپ کا ہمنوا ہے۔ بلاتحقیق آپ نے

اس کی عبارت نقل کر ڈالی، اس کا انجام یہی ہوتا ہے، جو آپ کے سامنے ہے۔
آپ نے القول الاظہر پڑھا تھا تو آپ پر لازم تھا کہ اس کا جواب اجلی انوار الرضا بھی
پڑھ لیتے، پھر شاید آپ ان کی بات دہرانے کی ہمت نہ کرتے۔

آپ نے حضرت مفتی صاحب کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے۔ "اس کا
اضل امجدی کے طرز پر یہ جواب ہے کہ نماز کے فرائض وواجبات میں رکوع، سجود،
عدہ اخیرہ، قرأت فاتحہ، تشہد مذکور ہیں۔ یہ مطلق نماز کے فرائض وواجبات ہیں —
ماز جنازہ بھی نماز ہے کیا فاضل موصوف اس کے لئے یہی احکام ثابت کر دیں گے۔"

اس پر گزارش ہے کہ قبلہ وکعبہ اولاً نماز جنازہ کے بارے میں ہدایہ میں فرمایا۔

فان صلّوا علی جنازۃ رکبانا اجزاھم فی القیاس لانہا دعاء وفی الاستحسان لا یجزیھم لانہا صلوٰۃ مِنْ وَجْہٍ۔

اگر نماز جنازہ سوار ہو کر پڑھی تو قیاس کی رو سے ہو جائے گی اس لئے کہ یہ دعا ہے، اور استحسان میں یہ ہے کہ نہیں ہو گی اسلئے کہ من وجہ نماز ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے۔

لانہا لیست بصلوۃ حقیقۃ انما ھی دعاءٌ واستغفارٌ للمیت اَلَا تریٰ انہ لیس فیہا الارکان التی تترکب منہا الصلوٰۃ من الرکوع والسجود الا انہا تسمیٰ صلوٰۃ لما فیہا من الدعاء (ص ۳۱۲)

نماز جنازہ حقیقت میں نماز نہیں یہ میت کیلئے دعا واستغفار ہے۔ دیکھتے نہیں کہ اس میں وہ ارکان رکوع، سجود جن سے نماز مرکب ہے نہیں ہیں۔ مگر اسے نماز اسلئے کہتے ہیں کہ اس میں دعا ہے۔

دیکھا آپ نے نماز جنازہ حقیقت میں دعا ہے۔ اور اس پر نماز کا اطلاق اس
لئے ہے کہ اس میں دعا ہے تو اسے نماز پر قیاس کرنا درست نہیں۔

ثانیاً: آپ نے فتوے کے اس جملے پر غور نہیں کیا۔ "اور اذانِ خطبہ کا اِستثنار
نہیں فرمایا"۔ اگر غور نہ فرمانے کا جملہ بار خاطر ہو تو اس کو یوں بدل لیجے کہ دیدہ ودانستہ
اس سے اغماض فرمایا۔ یا پھر اس پر توجہ بھی فرمائی تو فقہ کی کسی کتاب میں نماز جنازہ

کا باب بغور نہیں پڑھا۔ اب ذرا تکلیف کرکے پڑھ لیں۔ فقہاء لکھتے ہیں۔
کنز الدقائق میں ہے۔

وھی اربع تکبیرات بثناء بعد الاولیٰ وصلوۃ علی النبیؐ بعد الثانیۃ ودعاءٌ بعد الثالثۃ وتسلیمتین بعد الرابعۃ۔	اور نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں، پہلی کے بعد ثنا، دوسری کے بعد درود، تیسری کے بعد دعا، اور چوتھی کے بعد دو سلام کے ساتھ،۔

دیکھئے فقہاء نے نماز جنازہ کے باب میں نماز جنازہ کی پوری ترکیب ذکر کردی، یہ اسی وجہ سے ہے کہ اس کے ارکان وغیرہ مطلق نماز سے الگ تھے۔ ہمارا یہی کہنا ہے کہ اگر اذانِ خطبہ اس حکمِ عام سے خارج ہوتی تو فقہاء ضرور اسے ذکر کرتے۔ فتوے میں اسی کا مطالبہ ہے۔ آپ نے بہت محنت کی، بہت زور مارا، بہت جانفشانی کی اپنے کتب خانہ کا سارا گنج قارون کھنگال ڈالا، مگر اذانِ خطبہ کا اس حکم عام سے استثناء نہیں دکھا سکے۔

دور کیوں جائیے، اسی اذانِ خطبہ کو دیکھ لیجئے۔ پنجگانہ اذان کے لئے کوئی جگہ اور جانب خاص نہیں، صرف اتنا ہونا ضروری ہے کہ خارجِ مسجد ہو۔ کسی اونچی جگہ ہو تو اولیٰ بہتر، لیکن اذانِ خطبہ میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ خطیب کے رُوبرُو ہو تو ہر فقیہ نے اس کے باب میں بَیْنَ یَدَیِ المنبر یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ استعمال کیا ہے کہ اس کی یہ خصوصیت تھی اور اس خصوص میں یہ عام اذان سے الگ ہے۔ اگر داخل مسجد کی کراہیت سے اذان خطبہ مُستثنیٰ ہوتی تو اُسے ضرور ذکر فرماتے۔ مگر چونکہ یہ اس خاص حکم میں مطلق اذان سے مستثنیٰ نہیں اس لئے اس کا استثناء نہیں فرمایا۔

جانشینِ مفتیٔ اعظم ہند پر تنقید کا جائزہ

جانشینِ مفتیٔ اعظم ہند علامہ اختر رضاخاں ازہری صاحب مدظلہ العالی نے اپنے فتویٔ مبارکہ میں تحریر فرمایا تھا۔

"یہ تمام ارشاد صاف صاف مطلقاً بلاقید ہیں۔جن میں جمعہ وغیرہا کی تخصیص نہیں، مدعیٔ تخصیص پر لازم کہ ایسے ہی کلماتِ صریحہ معتمدہ میں اذانِ ثانی جمعہ کا استثناء دکھائے، مگر ہرگز نہ دکھا سکے گا۔"

اس کے رَد کے لئے آپ نے تحریر فرمایا۔

(۱) اوپر تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا کہ مسجد کے اندر کراہتِ اذان کا سبب اس کا اعلام غائبین کے لئے ہونا ہے۔اور فتح الباری، روح التوشیح، (الیٰ ان قال) ان سب کتابوں سے مکمل وضاحت کر دی گئی کہ اذانِ ثانی جمعہ اعلامِ غائبین کے لئے نہیں ہوتی۔اس لئے کراہت کا حکم اس پر نہیں لگے گا الخ۔

اس پر ہم بھی تفصیل کے ساتھ گذارشات کر چکے، اور بتا آئے کہ آپ کی پیش کردہ عبارتوں میں سے مضمرات، جامع الرموز، فتاوی الحجۃ، کنزالعباد، روح البیان، طحطاوی علی المراقی، کی عبارات سے ہرگز یہ ثابت نہیں کہ یہ اذان اعلام غائبین کے لئے نہیں۔

ثانیاً: ہم نے سعایہ، سباحۃ الفکر کے معارض خود انہیں دونوں کتابوں کے مصنف آپ کے اخص الخواص معتمد بزرگ ہی کا ارشاد عمدۃ الرعایہ سے دکھا آئے کہ یہ اذان احضار الغائبین عن المسجد کے لئے بھی ہے۔نیز بدائع، صنائع، ہدایہ، کفایہ، البحرالرائق، تنویرالابصار، درمختار، ردالمحتار سے دکھا آئے کہ اذانِ خطبہ بھی اعلامِ غائبین کے لئے ہے۔اور آپ کی تحقیق کے بموجب یہی اندرونِ مسجد کراہت کی مقتضی، تو اندرونِ مسجد کراہت کا حکم باقی۔

ثالثاً: اذان بمنزلہ نوع ہے۔اور ماہیتِ نوعیہ کے لئے جو لوازم ثابت ہوتے ہیں وہ

اس کے ہر فرد کے لئے بداہۃً ثابت، مثلاً انسان کے لوازم میں ہے عاقل قابل علم وکتابت ہونا زید انسان ہے تو یہی اس کی دلیل ہے کہ وہ عاقل قابل علم وکتابت ہے۔ اب اگر زید کو انسان تسلیم کرنے کے باوجود زید کو عاقل قابل علم وکتابت نہ مانے اس کے لئے خاص دلیل مانگے تو اس کا علاج آپ بھی یہی بتائیں گے کہ اسے رانچی کے مخصوص ہسپتال میں بھیج دیا جائے۔ اسی طرح اذان کے جب لوازم میں سے ہے اندرون مسجد مکروہ ہونا، اور اذان خطبہ اسی کا فرد تو اس کے لئے بھی یہ حکم ثابت کہ مسجد میں کہنا مکروہ۔ خاص اس کے لئے دلیل مانگنے والوں کا وہی علاج ہے، جو آپ نے زید کے مہربان خاص کے لئے تجویز فرمایا ہے۔ آگے آپ نے لکھا ہے۔

(۲) مفتی خانصاحب نے بڑی جستجو اور کوشش کے بعد ایک ٹکڑا برآمد کیا۔ اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ فرماتے ہیں۔

فتح القدیر کی عبارت جو باب الجمعہ میں تحریر ہوئی اور جس میں فرمایا کہ وہ ذکر الٰہی ہے۔ مسجد میں یعنی اس کی حدود میں کیوں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ اس عبارت کے باب الجمعہ میں خطبہ کے ذکر میں تحریر ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ اس جگہ اذان سے مراد وہی خطبے والی اذان ہے۔ اور صاحب فتح القدیر نے اس کو مثل اذان پنجگانہ کے مسجد میں مکروہ فرمایا۔

اس پر آپ نے بہت ہی جلال میں آکر تحریر کیا ہے۔

"مفتی خانصاحب نے بڑے جوش سے پیش کیا ہے مگر جوش کے ساتھ اگر ہوش سے بھی کام لیتے تو اتنی سطحی بات وہ نہ کرتے الخ"

معاف فرمائیں یہاں مجبور ہو کر آپ ہی کے لہجے میں بات کرنی پڑ رہی ہے۔ آپ علامہ ازہری صاحب مدظلہ العالی پر تو یہ تیر ونشتر برسا رہے ہیں، مگر آپ کا اپنا حال یہ ہے کہ جوش کی حالت تو جانے دیجئے، عام حالات میں بھی آپ کا ہوش درست نہیں رہتا۔ اس لئے ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب عالم جذب کی تحقیقات انیقہ ہیں۔ یا پھر شدت جلال میں اس حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ مرفوع القلم ہیں۔ دوسروں کو ہوش کی تلقین کرنے والے ہوش میں آکر سنیں۔ فتح القدیر گھنگھنا نہیں کہ کسی نے آپ کے ہاتھ میں تھما دیا، اور آپ

نے لگے۔ فتح القدیر کے رموز و اسرار کا سمجھنا گھنگھنا بجانے والوں کا کام نہیں۔ علامہ ازہری
لہ العالی کے استدلال کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ خطبے کے احکام بیان فرما رہے ہیں۔
کے ضمن میں اندرونِ مسجد اذان کو مکروہ بتایا۔ یہ مقام اس کا مقتضی تھا کہ اگر اذانِ خطبہ
درونِ مسجد مکروہ نہ ہوتی تو اسے ضرور بیان فرماتے، ماہر مصنفین کا یہی طریقہ ہے۔ باوجود
ھی اذانِ خطبہ کا اس سے استثناء نہ فرمایا۔ جبکہ اذان، خطبے کے متصل ہی ہوتی ہے، تو
س سے ثابت کہ یہ حکم اذانِ خطبہ کو بھی عام ہے۔ اگر اس وقت عالم سُکر سے باہر ہوں گے تو
ر میں آگیا ہوگا۔

پھر اس کے بعد آپ لکھتے ہیں۔

پھر موصوف کا یہ خیال ہے کہ بابُ الجمعہ میں جب کبھی بھی اذان کا ذکر آئے گا، اس سے
د اذانِ ثانی ہی ہوگی عجیب و غریب ہے الخ۔

آپ نے اپنے دیوبندی اور غیر مقلد بزرگوں سے افترا پردازی بھی سیکھ لی ہے۔
یئے علامہ ازہری مدظلہ العالی کے کس جملے سے یہ بات صراحۃً تو بڑی بات اشارۃً، دلالۃً،
تضاءً کسی طرح بھی نکلتی ہے؟۔ اپنی طرف سے من مانی بات حریف کے سر منڈھ کر اس پر
تراض کرنا کہاں کی دیانت ہے؟۔

ثانیاً: آپ نے جو عبارت پیش کی ہے وہ اول کے ساتھ مقید ہے۔ اس لئے اس
ے اذانِ ثانی مراد ہو ہی نہیں سکتی۔

ثالثاً: باب جمعہ اور خاص خطبے کا ذکر دونوں ایک نہیں، یہاں امام ابن ہمام نے
اص خطبے کے ذکر میں وہ فرمایا۔

④ پھر آپ نے لکھا۔

مفتی خانصاحب فرماتے ہیں۔ اِن تمام عبارات سے اس کی صراحت تو نہیں ملتی کہ یہ
ذانِ خطبہ مسجد کے اندر ہونا چاہیئے الخ۔

اس پر آپ نے لکھا۔

"جس علت پر مسجد کے اندر اذان کی کراہت مبنی ہے، ان کتب سے ثابت ہوا کہ وہ علت اذانِ خطبہ میں نہیں پائی جارہی ہے"۔

اس پر گذارش ہے حضرت مفتی شیخ صاحب! گذر چکا کہ سعایہ، سباحہ کے علاوہ بقیہ کتابوں کی عبارتوں سے اس علت کا ارتفاع ثابت نہیں۔ رہ گئی سعایہ اور سباحہ تو ان کو خود انہیں کے مصنف دریا بردکر چکے ہیں کہ عمدہ میں لکھا کہ یہ اذان احضار غائبین کیلئے بھی ہے۔ آگے آپ نے لکھا ہے۔

④ مفتی خانصاحب مزید لکھتے ہیں کیونکہ موصوف کے پاس فقہ کی صرف تین کتابیں تھیں اس لئے انہوں نے فرمایا کہ درمختار حاشیہ طحطاوی، حاشیہ ابن عابدین کسی میں سعایہ کے مضمون کا پتہ نہیں۔ علامہ لکھنوی جیسا وسیع النظر عالم جن کی وسعت نظر اور دقت فکر کا سارا عالم معترف ہے وہ تو ـــــ انہم قالوا کہہ کر بغیر ذکر اختلاف کے فقہاء کا متفقہ قول نقل کرے۔ اور مفتی خاں صاحب موصوف تین کتابوں کا حوالہ دیکر کہیں اس میں ایسا نہیں لکھا ہے ؏

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

حضرت آپ کے پاس تو کتابوں کا گنج قارون ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے آپ، ؏

فقیہ شہر قارون ہے، لغتہائے حجازی کا

کے صحیح معنیٰ میں مصداق ہیں تو لائیے، اپنے علامہ لکھنوی صاحب کے علاوہ کسی فقیہ کی کسی کتاب کی وہ عبارت جس سے وہ مضمون جسے انہوں نے قالوا کہہ کر بیان کیا ہے، ثابت ہو رہا ہو۔ ابھی فیصلہ ہو جائے گا کہ کون کتنا وسیع النظر ہے اور صرف تین کتابوں کا ذکر کرنے والا صحیح کہہ رہا ہے یا آپ کے لکھنوی صاحب، ہم دعویٰ سے کہے دیتے ہیں کہ احناف کی کتب میں سے کسی کتاب میں وہ عبارت آپ نہیں دکھا سکتے، جسے لکھنوی صاحب نے قالوا کہہ کر بیان کیا ہے۔ ہاں اگر متداول کتب فقہ کے علاوہ ان کی خیالی الماری میں کوئی کتاب ایسی ہو جس میں وہ عبارت موجود ہو تو ہو سکتی ہے۔

پھلواروی صاحب آپ نے ـــــ فانہم قالوا ـــــ کو اس کی دلیل ٹھہرایا کہ اس سے ثابت ہوا کہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ اور اپنی اسی سمجھ کی بنا پر حضرت علامہ ازہری صاحب

بھر کے تیر و نشتر برسایا ہے مگر آپ کو رسم افتا ر اور آداب مفتی کی بھی خبر ہے؟ فقہاء اپنے
جن کلمات سے جو اشارے کرتے ہیں ان کی بھی آگاہی ہے؟ ہدایہ فصل غصب مالا یتقوم
ایک جگہ ہے ——— قالوا عند ابی حنیفۃ صار ملکا للغاصب ولا شیٔ
علیہ ——— اس پر عنایہ میں فرمایا ——— یشیر الی ان ثمہ قولا آخر ——
اروی صاحب بتائیں یہ اشارہ کس طرح ہو رہا ہے، جبکہ آپ کے نزدیک قالوا، اسکی
ہے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

اگر ابھی اطمینان نہ ہوا ہو تو اپنے علامہ لکھنوی کی سنئیے۔ ہدایہ اخیرین کے مقدمہ میں
ے ہیں ——— ان لفظ قالوا انما یستعمل فیما فیہ اختلاف ———
جمہ: لفظ قالوا صرف اسی مسئلہ میں استعمال کرتے ہیں جس میں اختلاف ہو ——

امہ قاضی عبدالرحیم مدظلہ کے ساتھ تمسخر ئیے کا جواب

اخیر میں آپ نے

نہ: اگر اپنے ایک امام کا سہارا لیتے ہوئے علامہ قاضی عبدالرحیم صاحب مدظلہ پر دل کا
ر نکالتے ہوئے لکھا ۔

اخیر میں قاضی صاحب فرماتے ہیں ——— بین یدیہ ——— اور عند المنبر ———
جو کچھ مولوی مذکور نے لکھا ہے وہ بھی تحقیق کے خلاف ہے۔ بَیْنَ یدی اور عِنْدَ المنبر کی تحقیقات
یر کی جا چکی ——

اس پر تحریر فرمایا ۔ یہاں موصوف کے ہم مسلک غیر مقلد عالم مولوی شمس الحق عظیم آبادی
عبارت پیش کی جاتی ہے (عون المعبود جلد اوّل ص ۴۲۵ کی ایک عبارت نقل کرنے کے بعد
پھلواری صاحب رقمطراز ہیں)۔

ہم نے غیر مقلد مولوی کو ان کا امام اس لئے لکھا ہے کہ پھلواری والے غیر مقلدوں اور دیوبندیوں کے پیچھے بلا تکلف
علیٰ رؤس الاشہاد نماز پڑھتے ہیں۔ حج کے لئے جاتے ہیں، تو نجدی غیر مقلدین کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ اور جہاں ان کا
ر دیوبندیوں یا غیر مقلدوں کا اجتماع ہوتا ہے تو دیوبندی امام کے پیچھے پڑھتے ہیں ——— منہ

اِن غیر مقلد عالم کو بھی یہ اعتراف ہے کہ ہدایہ اور دیگر کتبِ فقہ میں جو بَیْنَ یدی المنبر اور عند المنبر وغیرہ کے الفاظ ہیں وہ صرف اس صورت میں صادق آئیں گے جبکہ مؤذن خطیب کے قریب منبر کے پاس کھڑا ہو؛

سبحان اللہ! غیر مقلدوں کو امام آپ بنائیں۔ ان کے مقتدی آپ بنیں ۔۔۔ ان کے پیچھے نماز آپ پڑھیں، ان کے مذہب کی بنیادی کتابوں صراطِ مستقیم، تقویۃ الایمان وغیرہ کو حق آپ مانیں۔ اور ایک فروعی مسئلہ میں اتفاق کی وجہ سے غیر مقلدوں کا ہم مسلک ہم کو بتائیں؟ اگر ہم مسلک ہونے کا یہی معیار ہے تو محبتِ اہلِ بیت کے آپ بھی دعویدار اور رافضی بھی تو آپ اور رافضی ہم مسلک ہوئے، حنفی ہونے کے آپ بھی مدعی اور قادیانی بھی تو آپ اور قادیانی ہم مسلک ہوئے، وجوبِ واجب الوجود کے آریہ بھی قائل اور آپ بھی تو آپ اور آریہ ہم مسلک ہوئے، حضرت عیسیٰ کے نبی ہونے کے آپ بھی قائل اور عیسائی بھی تو آپ اور عیسائی ہم مسلک ہوئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے آپ بھی قائل اور یہودی بھی، تو آپ اور یہودی ہم مسلک ہوئے، دور کیوں جائیے خاص اسی مسئلہ میں لیجئے بین یدی المنبر اور عند المنبر کے معنی منبر کے قریب متصل آپ کا بھی مذہب اور آپ کے پڑوسی آپ کے امام اسی غیر مقلد کا بھی، تو آپ اور یہ غیر مقلد ہم مذہب ہوئے۔ اب مجھے کہنے دیجئے ۔۔۔ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۔۔۔ حضرت کبھی تو عالم جذب سے باہر آکر بات کیا کریں۔

یہ غیر مقلد یہ نہیں کہتا کہ بَیْنَ یَدَی اور عند کے معنی قریب متصل کے ہیں۔ بلکہ آپ لوگوں کے عمل کو دیکھ کر اپنی سفاہت سے یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ احناف کے نزدیک یہی ہے۔ وہ آپ لوگوں کی رسم کو بیان کر رہا ہے نہ کہ یہ بتا رہا ہے کہ بَیْنَ یَدَی اور عند المنبر کے معنی قریب متصل کے ہیں، وہ لاکھ سفیہ سہی مگر اتنا نہیں کہ آپ کی طرح ایسی بات کہے جس سے خود اس کی گردن نیچے۔ اگر اس غیر مقلد کی مراد یہ ہوتی کہ بَیْنَ یَدَی اور عند کے معنی قریب متصل کے ہیں تو پھر وہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اس حدیث کو اپنی دلیل کب بناتا۔ کیونکہ اس میں بَیْنَ یَدَی کے ساتھ ساتھ علیٰ بَابِ المسجد بھی ہے۔

اور اگر اس غیر مقلد کی وہی مراد ہو جو آپ نے بتائی تو کوئی بعید نہیں۔ اس کا امکان قوی
کہ اپنا مخلص مقتدی اور بڑوسی جان کر اس نے آپ کو اپنی مراد بتائی ہو۔ مگر واضح ہو کہ
کا قول آپ کے لئے دلیل ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کا امام ہے۔ ہم پر ایک گمراہ بد دین کا قول
بھی حجت نہیں ہو سکتا۔ اس کو آپ خوب جانتے ہیں۔ مگر آپ نے ہم پر ہم مسلک کی بھبتی کسنے
لئے اسے ذکر کیا ہے، اس کے باوجود آپ لوگ اللہ والے ہیں۔ آپ کا مسلک مرنجا مرنج
کل، صلح کُو ہے، کسی کو بُرا نہ کہا جائے سب اچھے ہیں۔ با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام
اب پھلواری شریف کی خانقاہ میں کھانے کے دانت اور دکھانے کے اور ہو گئے ہیں۔
البایہ ندوہ کی تعلیم کا اثر ہے۔

رسالہ القولُ الاظہر کی خدمت گذاری

آپ نے اپنی تائید میں رسالہ القول الاظہر کا بھی کچھ حصہ پیش کیا ہے۔ اس لئے ضروری
کہ اس کی بھی خدمت گزاری تھوڑی بہت کر دی جائے۔ اس رسالہ کے بارے میں سدّ الفرار
اخیر میں تحریر ہے۔

صاحبِ رسالہ جدیدہ جناب مولوی انوار اللہ صاحب معین المہام دکن کو بھی بدایونی
ید کا شوق ہوا۔ ایک غیر معروف شخص کے نام سے مسئلہ اذان میں رسالہ القول الاظہر اپنی
ائش سے چھپوایا۔ وہابیہ کی طرح اذانیوں نے بھی یہ روِش چلی ہے کہ خلاف کا نام کریں اور
لف کو نہ دیں۔ حضرت نے یہاں نہ بھیجا۔ بعض احباب نے اجمیر شریف سے روانہ فرمایا۔
رہ رمضان المبارک روز شنبہ کو آیا۔ دوشنبہ کو رجسٹری خط مولوی انوار اللہ صاحب کے
م گیا۔ ۳۵ دن بعد جواب آیا کہ بحث سے نا اتفاقی بڑھتی ہے، مسئلہ اجماعی ہے۔ اس پر
ری رجسٹر شدہ ۲۰ سوال متعلق ادّعائے اجماع روانہ ہوئے۔ جواب کے لئے ۲۰ر کے ٹکٹ
ں رکھ دیئے۔ ۱۰۰ دن کامل انتظار کے بعد تیسرا خط رجسٹری شدہ ۲۹ر محرم ۳۴ھ کو بھیجا اور
ھ دیا کہ دس دن اور انتظار ہو گا۔ جواب ابھی نہ ہو سکے تو اتنا ہی لکھ دیجئے کہ اتنی مدت

میں دیں گے۔ ڈیڑھ مہینے سے زائد گذرا اس پر بھی صدائے برنخاست، ناچار اب ہم اول خطوط شائع کردیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ، مولوی صاحب کو یہ اخیر اطلاع ہے، ۱۷ ربیع الاول شریف ۱۳۲۴ھ

اس تحریر سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ رسالہ القول الاظہر حقیقت میں مولانا انوار اللہ صاحب المہام دکن کا تصنیف کردہ ہے۔ جسے انہوں نے ایک غیر معروف شخص کے نام سے چھپوایا۔ اگر واقعہ ایسا نہ ہوتا تو حضرت مولانا موصوف تحریر فرما دیتے کہ یہ رسالہ میرا نہیں فلاں کا ہے۔ آپ اس سے سوالات کریں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس رسالہ میں اجماع کا دعویٰ تو کردیا گیا ہے۔ مگر یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور حقیقت میں باطل محض ہے، ورنہ جب حضرت مولانا موصوف سے وہ بیس سوالات ہوئے تو اس کے جوابات دیتے یا کم ازکم یہی لکھ دیتے کہ ابھی فرصت نہیں، جب فرصت ہوگی ہم اُسکے جواب دیں گے۔ جب مولانا انوار اللہ صاحب نے اِن سوالات کے جوابات نہیں دیئے تو پھر پوری کاروائی اجلی انوار الرضا کے نام سے چھاپ دی گئی ہے۔ یہ رسالہ سنہ ۱۳۲۴ھ میں چھپا۔ اس کے بعد بھی یہ حضرات برسوں زندہ رہے مگر جواب نہ دے سکے۔ اب چوہتر سال کے بعد پھلواروی صاحب اس سے دلیل لائے، تو ان پر لازم تھا کہ اجلی انوار الرضا کے جوابات بھی دیدیتے۔ مگر انہیں تو ان کے دیوبندی بزرگوں نے یہی سکھایا کہ مردودات کو دلیل بناتے جاؤ، آج نہ تو سدُّ الفرار کے مصنف حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ظاہری حیات میں ہیں، اور نہ حضرت مولانا انوار اللہ رحمۃ اللہ علیہ بقید حیات ہیں۔ اور نہ وہ صاحب زندہ ہیں۔ جن کے نام سے یہ رسالہ چھپا ہے۔ مگر پھلواروی صاحب نے اسے بطور سند پیش کیا ہے جس سے کسی کو اس رسالے کے بارے میں کسی قسم کی غلط فہمی ہوسکتی ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس رسالہ میں جو بنیادی باتیں ہیں ان پر بقدر ضرورت کلام کردیا جائے تاکہ اس کی بھی حیثیت سب کو معلوم ہو جائے، یہ باتیں صرف تین ہیں، اول، اذان ثانی کا اندرون مسجد ہونے پر اجماع اور تواتر دوم، امام محمد ابن اسحٰق کا ناقابل حجت ہونا۔ سوم، وہی بَیْنَ یَدَیہ اور عِنْدَ کی بحث، تیسرے پر بقدر ضرورت کلام ہوچکا ہے، اب ہم صرف پہلی اور دوسری بات پر بحث کرتے ہیں۔

...ول دعوائے اجماع وتوارث

ہم ثابت کر آئے کہ یہ اذان ہشام بن عبدالملک کے عہد تک وہیں ہوتی رہی، ...ہاں حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے زمانے میں شروع ہوئی تھی۔ یعنی منبر اقدس کے محاذی سامنے دروازۂ مسجد پر، حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اذان ...ول کا زدرا، پر اضافہ فرمایا۔ مگر یہ اذان وہیں دروازۂ مسجد پر رہنے دی، اس کو گھسیٹ ...ر مسجد کے اندر منبر کے متصل خطیب کے سر پر نہیں لائے۔ اس لئے کہ اگر انہوں نے اس ...ذان کی جگہ میں کوئی تبدیلی کی ہوتی تو وہ بھی ضرور کہیں نہ کہیں مذکور ہوتی۔ صحابۂ کرام کو اس طریقے سے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا تھا اتنا عشق تھا کہ اس میں کوئی بھی تبدیلی ہوتی تو وہ انہیں ناگوار ہوتی، اور اس کو برملا بیان کرتے۔ مثلاً یہی سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب منیٰ میں بجائے قصر کے پوری نمازیں پڑھنے لگے تو صحابۂ کرام نے اسے بیان فرمایا۔

دوم: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے جب سفر میں قصر ترک فرمادیا تو صحابۂ کرام نے اسے برملا بیان کیا۔

سوم: حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صدقہ فطر کی مقدار ایک صاع تھی۔ اس عہد میں یہ چیزیں پائی جاتی تھیں۔ جَو، کھجور، منقیٰ، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عہد میں جب گیہوں کی بہتات ہوئی اور گیہوں کی قیمت بہ نسبت جَو کے دونی تھی تو انہوں نے گیہوں سے صدقہ فطر کی مقدار نصف صاع کردی، اسے بھی صحابۂ کرام نے بیان فرمایا۔

مسجد اقدس میں عہد بہ عہد جو تبدیلیاں ہوئی ان سب کو صحابۂ کرام اور تابعین نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ مثلاً تحویل قبلہ سے قبل محراب نبوی کہاں تھی۔ اور غربی دیوار میں دروازہ کہاں تھا۔ پھر غزوۂ خیبر کے بعد جب عہد نبوی میں مسجد کی توسیع ہوئی تو محراب نبوی کہاں منتقل ہوئی۔ حضرت فاروق اعظم نے مسجد میں کیا توسیع کی اور حضرت عثمان غنی نے کیا توسیع کی۔ ولید بن عبدالملک کے عہد میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ سب تواریخ میں

مذکور رہیں۔ اگر یہ اذان عہد نبوی میں اور خلفائے راشدین کے ابتدائی عہد میں جہاں ہوتی تھی وہاں سے منتقل کی گئی ہوتی تو صحابۂ کرام اور تابعین اس کو ضرور ذکر کرتے۔ اذان اول زوراء پر دی گئی اور پھر زوراء سے ہشام نے منتقل کرکے مینارے پر دلائی تو اسے بھی مورخین نے بیان کیا۔ اگر اذانِ خطبہ کی جگہ میں کوئی تبدیلی ہوئی ہوتی تو اس کو بالضرور ذکر فرماتے۔

دوسری عبارت میں یوں کہئے کہ حدیث صحیح سے یہ ثابت کہ یہ اذان عہد نبوی سے لیکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہد خلافت تک مسجد کے دروازے پر ہوتی رہی اور اصل اِبْقَاء مَاکَانَ عَلٰی مَاکَانَ ہے۔ جب تک دلیل سے اس میں تبدیلی ثابت نہ ہو، یہی ثابت رہے گا کہ وہ چیز اسی طرح اسی جگہ ہوتی آئی ہے۔

بڑوں بڑوں نے بڑی جانفشانی کی، رامپور اسٹیٹ کا کتب خانہ چھ چھ مہینے تک کھنگالا۔ مگر کہیں سے کوئی ایسی روایت نہ لاسکے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس اذان کو باب مسجد سے ہٹا کر اندرونِ مسجد کیا ہو، تو ماننا پڑے گا کہ ان کے عہد میں بھی یہ اذان وہیں باب مسجد پر ہوتی تھی۔ اور زرقانی علی المواہب کی عبارت گذری کہ ہشام نے بھی اس کو وہیں باقی رکھا جہاں پہلے سے ہوتی آئی تھی

، بلکہ بنظر دقیق اس پر صحابہ و تابعین کا اجماع رہا کہ یہ اذان مسجد کے باہر ہونی چاہئے۔ اب اگر بفرض محال آپ یہ ثابت بھی کردیں کہ اس کے بعد اس پر اجماع ہوگیا کہ یہ اذان منبر کے متصل ہو تو پھر اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی،

ثانیاً: مسجد حرام شریف میں اب بھی یہ اذان کنارۂ مطاف پر ہوتی ہے۔ اور عہد نبوی میں کنارۂ مطاف خارج مسجد تھا، جیسا کہ گذر چکا۔ اس کے علاوہ دہلی جامع مسجد، اور فتحپوری مسجد اور آگرہ جامع مسجد، سہارنپور جامع مسجد میں یہ اذان صحن میں بنے ہوئے مُنْذَنہ پر ہوتی ہے۔ پھر آپ کا مزعومہ اجماع اور توارث کہاں رہا۔

ثالثاً: علاوہ ازیں امام ابن الحاج نے المدخل میں فرمایا ——— صدہا سال سے اس اذان کے لئے بھی دُکّہ (مُنْذَنہ) کا اِحداث ہوا۔ اور ہم بتا آئے کہ قبل تمام

مسجدیت اذان کے لئے اگر کوئی منذنہ بنالیا جائے تو وہ حکما خارج مسجد ہے، وہاں اذان بلاکراہت درست، عبارتیں گذر چکیں۔ ایک طرف فقہا، فرماتے ہیں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے اور منذنہ پر اذان کی اجازت دیتے ہیں۔ اب بولئے آپ کا اجماع اور توارث کہاں رہا۔

رابعاً: صرف دعوے سے اجماع اور توارث ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے لئے کوئی دلیل لائیے۔ اور اب تک کوئی صاحب اجماع اور توارث پر کسی عالم کا کوئی قول نہیں پیش کرسکے۔ اور جو عبارتیں پیش کرتے ہیں ان کے بارے میں مفصل بحث گذر چکی کہ ان سے داخل مسجد ہونا ثابت نہیں۔

خامساً: گذر چکا، حضرات مالکیہ کا قول ہے کہ اس اذان کے لئے محاذات امام بھی ضروری نہیں۔ منذنہ پر یا جہاں چاہیں دے سکتے ہیں۔ چنانچہ بلاد مغرب میں اذانِ خطبہ بھی منذنہ وغیرہ پر ہوتی ہے۔ پھر آپ کا اجماع اور توارث کا دعویٰ کیسے صحیح ہوسکتا ہے

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الفِ ثانی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں۔

عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است کرا مجال کہ باحیاءِ سنت لب کشاید اکثر علمائے ایں وقت بدعتہائے بہن شدہ را تعامل دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آنہا فتویٰ میدہند، ونمی دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست، تعاملے کہ معتبر است ہمانست کہ از صدر اول آمدہ ست، یا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ، وشک نیست کہ علم بہ تعاملِ کافۂ انام وعمل جمیع قریٰ وبلدان از حیطۂ بشر خارج است'

عالم دریائے بدعت میں غرق ہوچکا ہے' کس کی مجال کہ احیاءِ سنت کے لئے لب کھولے، اس وقت کے اکثر علما پھیلی ہوئی بدعتوں کو تعامل جان کر ان کے جواز، بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں، اور یہ نہیں جانتے کہ (یہ) تعامل استحسان کی دلیل نہیں، تعامل وہی معتبر ہے جو صدر اول سے ہے یا سب لوگوں کے اجماع سے حاصل ہو اور شک نہیں کہ تمام مخلوق اور سب دیہاتوں اور شہروں کے تعامل کا علم بشر کی قدرت سے خارج ہے۔

اور اس پر صاحبِ القول الاظہر نے یہ چیلنج کیا۔

اگر اس میں فاضل بریلوی کو شک ہو تو بسم اللہ وہ آدیں اور ہمارے ساتھ دنیا کا سفر کریں۔ خدا نے چاہا تو اپنی ایجاد کردہ صورت کہیں اسلامی دنیا میں نہ پاویں گے۔ ؎

اولاً: اس چیلنج کے جواب میں علامہ اسکندری مالکی اور یوسف سفطی مالکی کے ارشادات گذر چکے کہ اہل مغرب اذانِ خطبہ مینارے پر دیتے ہیں ـــــ اب وہ تو نہ رہے، پھلواری صاحب بتائیں کیا اب بھی آپ تعامل صرف تعامل ہی نہیں، اجماع کے مدعی ہیں ؟ ۔

ثانیاً: اجماع کا آپ نے دعویٰ کیا ہے، تو ثبوت آپ کے ذمے ہے۔ الٹے حریف سے مطالبہ کہ دکھاؤ، کہاں کہاں مسجد کے اندر نہیں ہوتی صریح مکابرہ ہے۔

ثالثاً: آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ اذانِ خطبہ اندرون مسجد ہونے پر اجماع ہے تو آپ کو یہ دکھانا پڑے گا کہ پوری دنیا میں پوری امت مسجد کے اندر اذانِ خطبہ دیتی ہے جب تو آپ کا مدعا ثابت ہوگا، اور اگر کہیں یہ ملا کہ یہ اذان مینارے پر ہوتی ہے، یا خارج مسجد کہیں اور تو آپ کا مدعا باطل ہوگا۔ اب آپ خود بتائیں کہ پھر اس چک پھیری سے کیا حاصل، کہ آپ نے لکھا۔ خدا نے چاہا تو اپنی ایجاد کردہ صورت دنیا میں کہیں نہ پائیں گے۔ صاحبِ القول الاظہر تو دنیا سے تشریف لے گئے۔ اگر پھلواروی صاحب آمادہ ہوں تو ان کو دور نہیں پٹنہ شہر ان کے پڑوس ہی سے دکھانا شروع کریں گے۔ اور دنیا کے ہزاروں شہروں اور دیہاتوں میں حتی کہ رام پور، بدایوں میں دکھا دیں گے کہ خطبے کی اذان مسجد کے باہر خطیب کے سامنے ہوتی ہے۔ فرمائیے تیار ہیں آپ، ہم نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ پوری دنیا کے سب مسلمان خطیب کے سامنے خارجِ مسجد اذان دیتے ہیں،

رابعاً: چلو پوری دنیا گھوم آئیں، خدا نے چاہا تو اپنی ایجاد کردہ صورت دنیا میں کہیں نہ پائیں گے"۔ آپ کا یہ ارشاد خود بتا رہا ہے کہ حضور ـــــ شانئك فی انه شانئك ـــــ کی علت میں گرفتار ہیں۔ کیا دعویٰ کی دلیل ایسی ہی ہوتی ہے ـــ کیا یہی دیانت ہے کہ جو جی میں آئے دعویٰ کر لو، اس کے بعد دلیل تلاش کرنے نکلو،

اگر واقعی آپ نے پوری دنیا کا سفر کر لیا ہوتا، یا کسی پوری دنیا کے سیّاح سے سُنا ہوتا پھر دعویٰ کیا ہوتا تو کچھ بات بھی تھی۔

عجب العجاب: تھک ہار کر رامپوری مولانا خان سے سیکھ کر یہ لکھا۔

"حدیث سائب بن یزید استدلال میں اس وقت پیش ہو سکتی ہے کہ باب مسجد سے قبلہ کا محاذی دروازہ مراد لیا جائے۔ لیکن اس کی نسبت ہم صاف کہتے ہیں ـــــ ماانزل اللہ بھذا من سلطان ـــــ کیونکہ قبلہ رخ ایک دروازہ تھا جس کے بند کرنے کے بعد اس کے محاذات میں شمالی دروازہ کھولا گیا۔ اب ہم میں اور فاضلِ بریلوی میں صرف اس قدر نزاع رہ گئی کہ فاضل بریلوی تیسرا دروازہ مراد لیتے ہیں اور ہمارے نزدیک باب مسجد سے مراد وہ دروازہ ہے جو قبلہ کی جانب ہے اور اب مسدود ہے" ص ۳۸، ۳۹

اس عبارت کا مطلب کیا ہے؟ آپ عبارت بار بار پڑھتے کچھ پلے نہ پڑے گا، کہ اس کا حضرت سائب بن یزید کی حدیث سے کیا واسطہ، اگر یہ اندیشہ ہو کہ میں نے عبارت اس طرح ناقص نقل کی ہے کہ مضمون خبط ہو گیا ہے تو رسالہ پڑھ لیجئے اور بتائیے اس کا کیا مطلب ہے۔ جب آپ کو تسلیم ہے کہ جو دروازہ (قبل تحویلِ قبلہ) قبلہ رخ تھا جسکے بند کرنے کے بعد اس کے محاذات میں شمالی دروازہ کھولا گیا تو یہ شمالی دروازہ کیوں مراد نہیں ہو سکتا، محض آپ کے کہہ دینے سے، یہ تو برسبیل تنزلِ کلام تھا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ متعین ہے کہ یہی شمالی دروازہ مراد ہے۔ تحویلِ قبلہ سے قبل جو دروازہ جنوبی طرف تھا وہ تحویل کے بعد بند کر دیا گیا۔ وہ کسی طرح مراد ہو ہی نہیں سکتا۔

اولاً: اس لئے کہ جب وہ دروازہ مسدود ہو گیا۔ جس کا مطلب ہے کہ اسے ختم کر کے دیوار برابر کر دی گئی۔ اس لئے کہ مسدود کے یہی معنیٰ ہیں۔ یہ مطلب نہیں، کہ دروازہ تو باقی تھا اس سے آمد و رفت بند کر دی گئی۔ یہ کسی لغت میں مسدود کے معنی نہیں تو اس پر اذان کے کیا معنیٰ۔

ثانیاً: اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ اذانِ خطبہ اس مسدود دروازے پر ہوتی تھی،

تو خارج مسجد ہوئی۔ اور آپ کا مدعا باطل، نیز امام کے محاذی نہ ہوئی۔

ثالثاً: ناظرین حیرت میں ہوں گے یہ کہاں کی باتیں ہیں۔ حضرات یہ رام پور کے چاہِ شور کے مزے ہیں۔ گھونٹ کا کچھ حصہ تو نگلے اور کچھ تھوک دیا ہے۔ رامپوری خانصاحب نے یہ نکتہ آفرینی کی تھی کہ حضرت سائب بن یزید کی حدیث کا مطلب یہ ہے منبر اقدس دیوارِ قبلہ کے مسدود دروازے پر تھا۔ اب حدیث کا ترجمہ یہ ہوا کہ جب رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر جو مسجد کے دروازے پر تھا بیٹھتے۔ تو حضور کے سامنے اذان ہوتی تھی۔ یہاں —— اَلَّذِیْ کَانَ —— محذوف ہے، یا یہ کہ عَلٰی بَابِ المسجد کا تعلق جَلَسَ سے ہے۔

اس پر معروض ہے **اوّلاً**: کیا کوئی صاحب کسی حدیث کی روایت کسی اثر میں دکھا سکتے ہیں کہ زمانۂ اقدس میں مسجد کریم کی خاص دیوارِ قبلہ میں خاص محراب کی جگہ کھلا ہوا غیر مسدود دروازہ تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ خاص اس دروازے پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے، یہ سراسر افترا ہے۔ افترا یہی نہیں کہ جس بات کا نہ ہونا معلوم ہو اسے ہونا مانا جائے۔ یہ بھی افترا ہے کہ جس کے ہونے کا علم نہ ہو، اپنی طرف سے دعویٰ کیا جائے۔ قال اللہ تعالےٰ

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	یا اللہ پر ایسی بات باندھتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

وقال تعالےٰ

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔	اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔ بے شک کان، آنکھ اور دِل ان سب سے سوال ہوگا۔

ثانیاً: عالِم مدینہ سید سمہودی قدس سرہ جن کی خلاصۃ الوفا کی عبارت سے

آپ نے یہ بتایا ہے کہ تحویلِ قبلہ سے پہلے جانبِ جنوب دروازہ تھا۔ وہی اسی خلاصۃ الوفاء میں فرماتے ہیں۔

لما صرفت سد الباب الذی کان خلفہ وفتح ھذا الباب حذاءہ ای فی محاذاۃ المسد ود خلف المسجد ای تجاھہ کما قال المجد۔	جب قبلہ پھیر دیا گیا تو وہ دروازہ بند کر دیا گیا جو اس کے بائیں تھا۔ اور اس کے مقابل یہ دروازہ کھولا گیا یعنی مسدود کے مقابل مسجد کے بائیں یعنی اس کے سامنے جیسا کہ مجد نے کہا۔

اس پر خود حضرت علامہ موصوف نے یہ تفریع فرمائی ہے۔

فکان المسجد لہ ثلثۃ ابواب باب خلفہ وباب عن یمین المصلی وباب عن یسار المصلی۔	اب مسجد کے تین دروازے ہوئے، ایک بائیں میں، ایک نمازی کے داہنے، ایک نمازی کے بائیں۔

اگر مسدود کرنے کا مطلب یہ نہ ہوتا کہ جنوبی دروازہ ختم کر کے دیوار برابر کر دی گئی تو فرماتے کہ مسجد کے چار دروازے ہوئے۔ جب تحویل قبلہ کے بعد دیوار قبلہ میں کوئی دروازہ موجود ہی نہ تھا تو اس میں منبر رکھنے یا اس میں کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا سوال ہی نہیں۔ آپ کو بہت بُرا لگا کہ مقبل کذب کید میں دعوائے مذکور کو جہالت کہا گیا۔ اب وہ تو موجود نہ رہے۔ پھلواروی صاحب ہی بتائیں کہ یہ جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟۔

ثالثاً: اب آئیے دیکھئے علماء — علیٰ باب المسجد — کو آپ کے علی الرغم — بین یدیہ — سے متعلق فرماتے ہیں۔

سندُ الحفاظ علامہ ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

فان فی سیاق ابن اسحٰق عند الطبرانی وغیرہ عن الزھری فی ھذا الحدیث	طبرانی وغیرہ کے یہاں امام زہری سے بطریقہ ابن اسحٰق اس حدیث میں یہ ہے، کہ

ان بلالاً کان یوذن علیٰ باب المسجد — بلال مسجد کے دروازے پر اذان دیتے تھے

(فتح الباری جلد ثانی ص ۳۲۷)

امام اجل فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔

کان اذا جلس علیہ الصلوٰۃ والسلام علی المنبر اذن بلال علیٰ باب المسجد وکذا فی عهد ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما۔ — رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے بلال مسجد کے دروازے پر اذان دیتے اور ایسے ہی ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں بھی ہوتا تھا۔

آپ کے علامہ زمخشری کشاف میں لکھتے ہیں۔

کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤذنٌ واحدٌ فکان اذا جلس علی المنبر اذن علیٰ باب المسجد ثم کان ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما علیٰ ذلك۔ — رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذن ایک تھے، جب حضور منبر پر جلوہ فرما ہوتے وہ مؤذن دروازہ مسجد پر اذان دیتے، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما اسی طریقے پر تھے۔

بعینہٖ یہی عبارت نیشاپوری میں پھر خطیب شربینی میں پھر فتوحاتِ الٰہیہ میں ہے، فتوحاتِ الٰہیہ میں اتنا زائد ہے — وَعَلِیٌّ بِالْکُوْفَۃِ — اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کوفے میں، اذانِ خطبہ مسجد کے دروازے پر دلواتے۔ اس سے مزید یہ ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بھی یہ اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔ اس سے یہ ادّعا باطل ہو گیا کہ زوراء کی اذان کے بعد اذان خطبہ مسجد کے اندر کر دی گئی۔

امام شعرانی کشف الغمہ میں فرماتے ہیں۔

وَکَانَ الْاَذَانُ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ۔ — (زمانہ اقدس وشیخین میں) یہ اذان مسجد کے دروازے پر تھی۔

پھلواروی صاحب بتائیں! جو شخص قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے اس کا حکم تو سب

کو معلوم ہے، آپ فتویٰ دیں۔ جو شخص حدیث کے سیاق کے خلاف اور علماء نے جو حدیث کا مفاد متعین کیا ہے اس کے خلاف اپنی رائے سے حدیث کا کوئی معنی بتائے اس کا کیا حکم ہے ؟۔

ایک رنگین فریب

صاحب القول الاظہر نے اپنے اس رسالے میں رامپوریوں سے سیکھ کر ایک بہت ہی رنگین فریب دینے کی کوشش کی ہے۔ قصہ یہ ہے ——— مدینہ طیبہ میں جہاں ہزاروں آفاقی افراد دنیا سے آئے ہوئے ہیں۔ ایک شخص طرابلس کا بھی آگیا تھا جس کے بارے میں ایک مدنی صاحب نے بتایا کہ وہ مدینہ طیبہ سے نکال دیا گیا تھا۔ سننے میں آیا ہے کہ ایک انقلاب کے بعد پھر آگیا ہے اسی طرابلسی کی تحریر کسی نے لکھنؤ سے چھاپی ہے اس پر نہ کسی عالم کی مہر ہے اور نہ دستخط تصدیق، اس تحریر میں بیسؔ فاش غلطیاں ہیں جن کو حق نما فیصلے میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اگر القول الاظہر کے مصنف میں دیانت ہوتی تو حق نما فیصلہ پڑھنے کے بعد اس کا نام کسی قیمت پر نہ لیتے۔ مگر عصبیت بیجا کا بُرا ہو کہ اس کے باوجود صاحب القول الاظہر لکھتے ہیں۔

"فاضل بریلوی ہمیشہ فتاوائے حرمین شریفین کے سامنے سرتسلیم خم کرتے رہے لیکن جب وہی مدنی فتویٰ فاضل بریلوی کے خلاف نمودار ہوا تو، لگے تاویلیں کرنے، چنانچہ اپنے رسالہ (مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ) کے سر ورق پر تحریر فرماتے ہیں ——— حرمین شریفین کا فتویٰ عقائد و متعلقات عقائد میں لیا جاتا ہے۔ اذان، نماز، روزہ محض فقہی مسئلوں میں صرف کتاب معتبر ہے ورنہ مذہب حنفی رد ہو جائے گا۔" (ص ۱۳)

اولاً: اس سے پہلے اسی رسالے کے اسی سرورق پر یہ ہے۔

"ایک طرابلسی تحریر کی گت دکھائی، کہ اول تو اس کا سوال یہاں کی نزاع سے جدا ہے۔ پھر وہ تحریر نہ تو مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کے کسی عالم

کی ہے۔ نہ اصلاً کسی مکی مدنی نے اس پر دستخط کئے۔ وہ اپنی ردی حالت
میں کانپوری تحریر سے بہت بدتر ہے اس کی تمام کائنات یہ سولہ
جہالتیں ہیں"۔

ہمیں صاحب القول الاظہر کی دیانت پر ذرا بھی شبہہ نہیں ہوتا، اگر اسے بھی نقل کر دیتے۔ آخر اسے چھوڑنا کچھ معنیٰ دارد، پھر دوسری بات بھی کیا غلط ہے۔ حرمین شریفین میں شافعی، مالکی، حنبلی سبھی علماء ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ رفعِ یدین کہاں کہاں مسنون ہے، قرأتِ خلفِ امام کا کیا حکم ہے، آمین بالجہر اور بالسِر میں کون افضل ہے تو بتائیے غیر حنفی علماء کا فتویٰ حجت ہے۔

اسے بھی جانے دیجئے اگر کوئی حنفی بننے والا ہی کتبِ احناف کے خلاف فتویٰ دے تو کیا وہ معتبر ہو گا۔ اسی مسئلے میں دیکھ لیجئے آپ کے ایک تراشیدہ فتوے میں جو ایک حنفی مفتی کی طرف منسوب ہے بقول آپ کے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث کی چکبندی کر کے رکھ دی ہے کہ دیوار قبلہ میں ایک دروازہ تھا جس میں منبر رکھا تھا۔ اس پر کھڑے ہو کر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تھے۔ اور یہی اس حدیث کا مطلب ہے جس کی پوری حقیقت ابھی بے نقاب کر دی گئی ہے۔ کیا حنفی مفتی وہ بھی مدینہ طیبہ کا ایسا ہی ہوتا ہے۔ ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لئے "محق نما فیصلہ" کی اس سے متعلق عبارت بلفظہ نقل کر دیتے ہیں۔

سوال میں یہ ہے :۔ ———

مزید کہتا ہے کہ اذانِ خطبہ مسجد کے دروازے ہی پر سنت ہے۔ اگرچہ
دروازہ منبر کے سامنے بھی نہ ہو، اگرچہ بیچ میں آڑ ہو ——— طرفہ یہ
کہ زید کو لکھا کہ ——— وہ حدیث بَیْنَ یَدَی سے استدلال کرتا ہے"۔

سبحان اللہ! بَیْنَ یَدَی کا منکر اور حدیث بین یدی سے مستدل ——
ایسا "احمق زید" شاید طرابلس میں بستا ہو۔ خیر اس کا جواب اس طرابلسی نے لکھا، اور وہی بَیْنَ یَدَی کی عبارتوں سے سند لایا

(۱) اور اس کے ساتھ انصال کا گندہ بروزہ اپنی طرف سے ملایا۔ (۲) (۳)
(۴) جس پر فقہ حنفی مالکی حنبلی کی جنبی کتابوں سے نقول لکھیں کسی میں اس کا نام و نشان نہیں (۵) بلکہ شرح خلیل کی عبارت صاف اس کے مخالف ہے۔ خوش فہمی سے اسے بھی نقل کرلایا (۶) ہاں فقہ شافعی کی صرف ایک عبارت جس طرح اس نے نقل کی، اس کے زعم کا پتہ دیتی ہے۔ جس کا وہ مطلب نہ سمجھا (۷) حدیثِ صحیح کے رد کو اصول حنفی کی آنکھ پر ٹھیکری رکھ کر وہی تدلیس کی پکار (۸) امام سفیان بن عیینہ پر ابن اسحٰق کو مرجوح ماننے کا بہتان (۹) لطیف تر یہ کہ دروازۂ مسجد سے مراد چھت کی دیوار (۱۰) خود ہی مانا کہ بَیْنَ یَدَی کا مفہوم اتنا ہے کہ محاذات ہو بیچ میں آڑ نہ ہو، اور پھر اتصال منبر کے لئے وہی بَیْنَ یَدَیہ کی چیخ پکار (۱۱) طرفہ یہ کہ خود صحابی پر اعتراض کہ انہوں نے بَیْنَ یَدَی بھی کہا اور عَلٰی بَابِ المسجد بھی، یہ دو ضدوں کا جمع کرنا ہے ـــــ یعنی صحابی نے خود اپنی بات نہ سمجھی، رات دن ملائے ـــــ
(۱۲) پھر مزہ یہ کہ عَلٰی بَابِ المسجد کی تاویل کی ـــــ محاذی دروازہ یعنی منبر کے پاس دروازے کے محاذی ـــــ سبحان اللہ! منبر کے پاس ہو تو دروازے کے محاذی ہو گئی، اور دروازے کے پاس ہو تو منبر کے محاذی نہ رہے ـــــ بَیْنَ یَدَی جس کا مفہوم صرف محاذات تھا، جاتا رہا + (۱۳) پھر حقیقت و مجاز کو دو برابر کے احتمال جانا (۱۴) امیر المؤمنین عثمان غنی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بدل ڈالنے والا جانا (۱۵) بَیْنَ یَدَی عَلٰی بَابِ المسجد کے معنیٰ کیا خوب گڑھے کہ کبھی یہاں کبھی وہاں۔ کیا کہنا ـــــ (۱۶) یا زمانہ اقدس میں دو اذانیں ہوتی تھیں ایک یہاں ایک وہاں ـــــ

یہ صریح و صحیح احادیثِ مشہورہ بخاری و مسلم کا رد ہے ـــــ یہ ہے طرابلسی صاحب (بقول آپ کے مدنی صاحب) کی تمام کائنات ـــــ اسی سے اس کی علمی حالت ظاہر ـــــ

۲۶ سنہ میں جس وقت وہ تحریر یہاں آئی تھی اسی جلسے میں اس کے حرف حرف کا رد ایک خفیف ساعت میں اس کے حاشیے پر لکھ دیا تھا۔

اس بے ایمانہ تحریر کی یہ ہستی ہے ——— مسلمان مطلع رہیں کہ نہ وہ مدینہ طیبہ کا فتویٰ ہے نہ کسی مکی یا مدنی نے اس پر دستخط کئے۔ نہ وہ اصلاً علم و عقل سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس کی اکثر جہالتوں کا رد نہایت شرح و بسط سے آپ آذان مِنَ اللہ و دِفَایَۃُ اَھْلِ السُّنَّۃ، میں لے گا۔ اور تمام خرافات کے رد کے اشارات یہیں کر دیئے ——— وللہ الحمد ———

عرض سوم

مسائل کئی قسم ہیں۔ ایک قسم عقائد اہلسنت کے اصول ایمان، یا ان کے متعلقات سے ہیں۔ دوسرے وہ مسائل کہ اگرچہ فرعی ہیں مگر اہلسنت و وہابیہ وغیرہم ضالین میں مختلف فیہ ہیں۔ جیسے مجلس میلاد مبارک و قیام کہ یہ بھی اختلاف عقیدۂ فریقین کے باعث فرعی عقائد ہی سمجھے جاتے اور ان کے ماننے نہ ماننے سے اب سنی و وہابی وغیرہ کی پہچان ہوتی ہے ———

حرمین شریفین ——— اللہ عزوجل کے فضل سے معیار عقائد ہیں۔ وہاں کے جماہیر علمائے کرام[۱] بفضلہ تعالےٰ اہلسنت ہی ہوتے آئے اور انشاء اللہ تعالیٰ

---

[۱] رہ گئے وہ نجدی مولوی جو حرمین طیبین پر نجدیوں کے تغلب کی وجہ سے وہاں امامت، قضا افتاء وغیرہ پر قابض ہیں ——— یہ نہ علمائے حرمین طیبین ہیں اور نہ یہ دینی معاملہ میں معیار ان کے بارے میں تو خود حدیث میں فرما دیا گیا ——— ھنالك الزلازل والفتن ومن ھٰھنا یطلع قرن الشیطٰن ——— نجد میں زلزلے اور فتنے ہیں۔ وہاں سے شیطان کے ساتھی نکلیں گے۔ حرمین طیبین کے قدیم باشندے علماء عوام نجدیوں کے ہزار ظلم و تشدد کے باوجود بحمدہ تبارک تعالےٰ اہلسنت وجماعت ہیں ——— اور ہمارے ہم عقیدہ ——— منہ

تا قیام قیامت ہوں گے۔

اس معیار کے باعث ان دو قسم مسائل میں ان کے فتاوی سے بحمدہ تعالےٰ ہم اہلسنت استناد کرتے ہیں۔

تیسرے مسائل محض فقہی جیسے اذان، نماز، نکاح، طلاق، بیع، شراء، وقف وصیت وغیرہا، ان میں کتاب ہی حجت ہے، جو کتاب کے موافق کہے اگرچہ ہندی سندھی کوئی ہو، اسی کا قول قرینِ صحت ہے۔

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ عجمی تھے، مگر کسی مکی، مدنی، عربی، امام مجتہد کا قول اس وجہ سے ان پر مرجح نہیں ہو سکتا۔

تابعین میں ائمہ مکہ کا اجتہاد اکثر مذہب امام شافعی کے موافق ہے۔ اور ائمہ مدینہ کا امام مالک کے، ——— اور ائمہ کوفہ کا امام اعظم کے، ——— پھر ہمارے امام نے مکہ اور مدینہ کے علماء کو علمائے کوفہ پر ترجیح نہ دی، بلکہ علمائے کوفہ ہی کے اقوال کو اقوال علمائے حرمین پر ترجیح رکھی۔

ہمارے امام، امام محمد نے مسائل اہلِ مدینہ کے خلاف میں مستقل کتاب الحجج علی المدینہ تصنیف فرمائی ———

ان مسائل میں حدیث وفقہ حنفی کے خلاف کسی کا قول حجت بنانا اور امام محمد وامام اعظم بلکہ تمام مذہب حنفی کو داغ لگانا بلکہ یکسر رد کر دینا ہے۔

مسلمانو! یہ نکتہ خوب یاد رہے کہ گمراہ لوگ مذہب حنفی کے رد کرنے کو دھوکا نہ دیں، جو حاضر حرمین ہوا اس نے دیکھا ہے کہ حنفی غیر حنفی سب کے جنازے عام طور پر دونوں مسجد کریم جاتے اور حنفی وغیرہم سب مسجد ہی میں ان پر نماز پڑھتے ہیں، ایسے ہی بہت مثالیں ہیں۔ کیا انہیں پیش کر کے مذہب حنفی رد کر دیا جائے گا۔ حاشا یہ تقریر ہم نے اس لئے گذارش کی کہ وہ طرابلسی نہ سہی مکی یا مدنی ہی ہوتا۔ بالغرض

اب ہوجب بھی ان مسائل میں کتاب مانی جاتی ہے۔ کتاب کے موافق جو کہے اس کا قول صحیح ہے۔ اور بے سندِ کتاب خلافِ کتاب جو کہے اس کا قول مقبول نہیں ـــــ

ان کلماتِ طیبات پر ہم رسالہ کو ختم کرتے ہیں

وَاللّٰہُ الْھَادِیْ وَھُوَ الْکَافِیْ

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ

وَبَارَكْ

وَسَلَّمْ

بحث

امامِ محمد ابن اسحٰق

صاحب القول الاظہر کو یہ تسلیم ہے کہ مجدد اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے وقایۃ اھل السنۃ میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور ۳۶ صفحہ گفتگو فرمائی ہے ــــــــ اس پر گذارش ہے کہ

اوّلاً: وِقَایَۃُ اَھْلِ السُّنَّۃ حضرت مفتی اعظم دامت برکاتہم القدسیہ کی تصنیف ہے۔ اسے مجدد اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی طرف منسوب کرنا، غالباً اسی وجہ سے ہے کہ آپ نے اپنے آئینے میں دیکھا ہے کہ القول الاظہر لکھا ہے۔ کسی اور بزرگ نے اور نام آپ کا ہے۔

ثانیاً: وقایۃ اہل السنۃ میں امام ابن اسحاق کی توثیق کے دلائلِ قاہرہ، اوران پر جرحوں کے دندان شکن جوابات کے دیکھنے کے بعد بھی ان کی تضعیف کا قول صریح عنا داور کھلا ہوا مکابرہ ہے ——— ناظرین ابھی اسے ملاحظہ کرلیں گے۔ مگر ضد اور عناد یہ ہے کہ ان کے خلاف یکطرفہ جرحیں نقل کر کے ان کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اگر یکطرفہ جرحوں پر اعتماد کر کے کسی راوی کو مجروح مان کر حدیثوں کے ضعیف ہونے کا حکم لگانے کی بدعت پر عمل شروع ہو جائے تو پھر بخاری و مسلم کا بھی خدا حافظ، کیا ان پر جرحیں نہیں ہوئیں ہیں۔

وِقَایَۃُ اَھْلِ السُّنَّۃ کا اقتباس

۱۳۳۲ھ ہجری میں دیوبندی جماعت کے حکیم الامت جناب اشرف علی تھانوی صاحب نے مسئلہ اذانِ ثانی پر ایک تحریر لکھ کر ایک مجہول شخص کے نام سے چھپوائی تھی۔ اس میں امام محمد بن اسحٰق پر جی بھر کر جرحیں کی تھیں۔ اس کے رد میں حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفٰے رضا خاں رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ نے رسالۂ مبارکہ وِقَایَۃُ اَھْلِ السُّنَّۃ عن مکر دیوبند والفتنۃ ——— تحریر فرمایا تھا۔ جو انہیں دنوں چھپ کر شائع ہو گیا تھا، جس کے جواب سے تھانوی صاحب اور پوری پارٹی آج تک عاجز ہے۔

القول الاظہر میں امام ابن اسحٰق پر جتنی جرحیں نقل کی گئی ہیں، وہ سب غالباً اسی تھانوی تحریر کی مرہونِ منت ہیں۔ بات ایک ہی ہے الفاظ بدلے ہوئے ہیں ——— اس لئے میں نے مناسب جانا کہ رسالہ مذکورہ کے اس حصے کا اقتباس نقل کر دیا جائے وہی کافی ہوگا ——— وقایۃ اہل السنۃ میں خطاب تھانوی سے ہے ——— ناظرین اپنے ذہن میں القول الاظہر کے مصنف کو رکھیں۔

(۱) جان توڑ کر یہ کوشش کی کہ کسی طرح مدینہ طیبہ کے ایک جلیل عالم، تابعی امام المغازی محمد بن اسحٰق کو کذاب یا کم از کم متہم بالکذب ثابت کرے سنی حنفی بھائیو! آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کے امام مذہب تین ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے دونوں مصاحب

امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالے عنہم، یہ محمد بن اسحٰق آپ کے امام اعظم کے ہم استاذ اور امام ابو یوسف کے استاذ اور امام محمد کے استاذالاستاذ ہیں۔
یوں ہی امام المحدثین، امام الفقہا ر، امام الاولیاء عبداللہ بن مبارک شاگرد امام اعظم رضی اللہ تعالے عنہما نے ابن اسحٰق کی شاگردی کی۔ امام ابو یوسف نے اپنی کتب میں بہت حدیثیں ان سے روایت فرمائیں۔ کتاب الخراج مطبوعہ مصر ص ۵ میں فرماتے ہیں۔

حدثنی محمد بن اسحٰق حدثنی عبید اللہ بن المغیرہ
حدثنی محمد بن اسحٰق عن عبد السلام عن الزھری - ص ۶
حدثنا محمد بن اسحٰق عن یزید بن یزید بن جابر - ص ۱۱
اخبرنی محمد بن اسحٰق عن ابی جعفر - ص ۱۱
حدثنی محمد بن اسحٰق عن الزھری - ص ۱۱
حدثنی محمد بن اسحٰق عن الزھری - ص ۱۲
حدثنی محمد بن اسحٰق عن الزھری - ص ۱۵

یہ پہلے ہی جز میں ابن اسحٰق سے سات حدیثیں روایت فرمائیں۔ اور سب اجزار کا تتبع کیجئے تو خدا جانے کسقدر ہوں۔

(۲) حنفیہ کے محدث اجل واکبر امام ابو جعفر طحاوی کہ تیسری صدی میں تھے، اور جب سے آج تک ایسا جامع امامت حدیث و فقہ شاذ ونادر ہی ہوا، محمد بن اسحٰق کی حدیثوں سے احتجاج فرماتے ہیں۔ اور کتاب الحجۃ علی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم فتح مکۃ عنوۃ جلد ۲ ص ۱۹۰ میں ان سے حدیث روایت کر کے فرمایا —— ھذا حدیث متصل الاسناد صحیح —— یہ حدیث صحیح ہے اور اسکی اسناد متصل ہے۔

(۳) مذہب حنفی کے رکن جلیل القدر محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام شرح ہدایہ ص ۱۸۱ میں فرماتے ہیں —— اما ابن اسحٰق فثقۃ ثقۃ لا شبھۃ عندنا فی ذالک ولا عند محققی المحدثین —— ابن اسحٰق ثقہ ہیں، ثقہ ہیں۔ اس میں نہ ہمارے نزدیک کوئی شبہہ ہے نہ محققین محدثین کے نزدیک۔

نیز ص ۹۲ میں فرماتے ہیں۔

توثیق ابن اسحٰق ھو الحق الابلج وما نقل عن کلام مالک فیہ لا یثبت ولو صح لم یقبلہ اھل العلم کیف وقد قال شعبۃ فیہ ھو امیر المومنین فی الحدیث۔

ابن اسحٰق کو ثقہ ماننا ہی نہایت روشن حق ہے اور امام مالک سے جو ان پر طعن منقول ہوا وہ نقل ثابت نہیں اور اگر صحیح بھی فرض کرلیں تو اہل علم نے وہ طعن قبول نہیں کیا اور کیونکر قبول ہو حالانکہ امام شعبہ نے فرمایا کہ محمد بن اسحٰق حدیث میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔

بالجملۃ ائمہ حنفیہ کا ان کے قبول پر اجماع ہے تو انہیں کذاب اور متہم ٹھہرانے میں یہ پیچ ہے کہ حنفیہ کے ائمہ مذہب جھوٹے کذابوں کی شاگردی کرتے اور ایسوں کی حدیثیں اپنی کتابوں میں بھرتے اور ان کو ثقہ اور دین خدا میں معتمد بناتے ہیں۔ تاکہ دیوبندیوں کے عینی بھائی غیر مقلدوں کا اعتراض حنفیہ پر چست ہو کہ حنفیوں کی حدیثیں ایسی کھوٹی ہیں اور ان کے محدث ایسے جھوٹے۔

(۴) دیوبندی تحریر نے فقط حنفیہ پر عنایت نہ کی، بلکہ صحاح ستہ پر بھی کہ محمد بن اسحٰق سے ان سب میں روایات واحادیث ہیں۔ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور صحیح مسلم وسنن اربعہ میں مسنداً، امام ترمذی نے ابن اسحٰق کی حدیثوں کو صحیح کہا۔ ابو داؤد نے ان پر سکوت کیا۔ اور خود یہ حدیث کہ اذان جمعہ زمانۂ اقدس میں دروازۂ مسجد پر ہوتی اسے بھی ابو داؤد نے روایت کرکے سکوت فرمایا۔ اور اس کتاب میں اسی حدیث پر سکوت کرتے ہیں۔ جو ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہو، اکابر ائمہ وعلماء مثل امام عبد العظیم منذری وامام ابو عمرو، وابن الصلاح وامام اجل ابو زکریا نووی وامام جمال الدین زیلعی وامام علاء الدین ترکمانی وامام محقق علی الاطلاق وامام ابن امیر الحاج وعلامہ ابراہیم حلبی نے اس کی تصریحیں فرمائیں کہ عنقریب آتی ہیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

(۵) دیوبندی تحریر نے جتنے طعن محمد بن اسحٰق پر نقل کئے یا تو وہ سرے سے طعن ہی

نہیں، یا قائل سے ثابت نہیں، یا قائل نے خود ان سے رجوع کی، یا وہ طعن مبہم غیر مفسر ہے۔ مطاعن ابن اسحٰق میں جتنا ورق اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کیا۔ ان چار وجوہ سے خالی نہیں۔ پہلی تین قسمیں تو کسی عاقل کے نزدیک طعن نہیں ہو سکتیں اور تمام ائمہ حنفیہ کا اجماع اور جمہور اکابر ائمہ محدثین کا اتفاق ہے کہ چوتھی قسم بھی زنہار مقبول و مسموع نہیں۔ خصوصاً امثالِ محمد بن اسحٰق میں جن کو جماہیر ائمہ حدیث و جمیع ائمہ حنفیہ نے مقبول و مستند و ثقہ و معتمد مانا ہے۔ اور اس تحریر نے بکمال بددیانتی ظلم یہ کیا کہ جن کتابوں سے نقل کا نام لیا انہیں میں وہیں ورق کے ورق محمد بن اسحٰق کی کمال مدح و توثیق میں اکابر ائمہ اجلہ سے مذکور ہیں۔ ان سب کو اڑا گئی، خال خال جو بے ثبوت و نامقبول طعن حکایت کئے گئے تھے وہ سب میں سے چن لائی اور اس خیانتِ مجرمانہ پر کمال بے حیائی کا پردہ ڈال کر بولی کہ

"ان ائمہ محدثین کی جروح بالکل منعدم نہ ہو جائیں گی۔ اس لئے اگر محمد بن اسحٰق کذاب نہ ہوگا تو متہم بالکذب ضرور ہوگا، بدعتی نہ ہوگا تو متہم بالبدعۃ ضرور ہوگا۔"

پیارے بھائیو! اوّلاً: ہم انہیں کتابوں سے، جن کے نام اس تحریر نے لئے ان کی وہ عباراتِ توثیق و مدائح ابن اسحٰق نقل کر دیں۔ جن کو یہ اڑا گئی۔ ان میں میزان الاعتدال و تہذیب التہذیب و ترغیب و ترہیب و جوہر النقی بفضلہ تعالیٰ ہمارے پاس ہیں۔ عیون الاثر اس کے پاس بھی نہیں، بلکہ اس نے تو ترغیب و ترہیب و جوہر نقی سے بھی ایک مجہول رسالے کے حوالے سے نقل کی ہے، ضرور ہے کہ عیون الاثر میں بھی صرف مطاعن نہ ہوں گے بلکہ توثیقاتِ جلیلہ ہوں گی کہ خود عیون الاثر کا بڑا دار و مدار محمد بن اسحٰق ہی کی روایات پر ہے۔ خیر کتب مذکورہ کی جو جو عباراتِ مدح و توثیق محمد بن اسحٰق اس نے چھوڑی ہیں انہیں سنیئے اور وہ بھی باختصار کہ زیادہ طول نہ ہو۔

میزان الاعتدال میں دیوبندی خیانتیں

میزانُ الاعتدال، جلد دوم ص ۳۴۳

① محمد بن اسحٰق المدنی احد الائمۃ الاعلام رأی انسا۔

محمد بن اسحٰق مدنی مشاہیر ائمہ سے ایک ہیں، انہوں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا۔

② ص ۳۴۴ قال احمد بن حنبل ھو حسن الحدیث۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا ابن اسحٰق کی حدیث حَسَن ہے۔

③ قال ابن معین ثقۃ و لیس بحجۃ۔

امام یحییٰ بن معین استاذ امام بخاری نے فرمایا ابن اسحٰق ثقہ ہیں ہاں اس پائے کے نہیں، جن کو محدثین کی اصطلاح میں حجت کہا جاتا ہے۔

④ قال علی بن المدینی حدیثہ عندی صحیح۔

امام علی بن مدینی استاذ امام بخاری نے فرمایا ابن اسحٰق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے

یہ ابنُ المدینی وہ ہیں جن کو امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں سوا ان کے کسی کے پاس اپنے آپ کو چھوٹا نہیں سمجھا، یعنی ان کے علم سے مجھے اپنا علم کم نظر آتا۔

⑤ قال یحییٰ بن کثیر وغیرہ سمعنا شعبۃ یقول ابن اسحٰق امیر المؤمنین فی الحدیث۔

یحییٰ بن کثیر وغیرہ کہتے ہیں، امام شعبہ کو کہتے سُنا کہ ابن اسحٰق حدیث میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔

یہ امام شعبہ وہ ہیں جن کو امام بخاری امیر المومنین فی الحدیث کہتے، یہ ابن اسحٰق کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں۔

⑥ وقال شعبۃ ایضاً ھو صدوق۔

نیز امام شعبہ نے فرمایا، ابنِ اسحٰق بہت ہی راست گو ہیں۔

⑦ قال محمد بن عبد اللہ بن نمیر رمی بالقدر وکان ابعد الناس منہ۔

محمد بن عبد اللہ بن نمیر کہتے ہیں، بعض نے ابن اسحٰق پر مذہب قدر کی تہمت رکھی حالانکہ وہ سب لوگوں سے زیادہ اس سے دور تھے

⑧ قال ابن المدینی لم اجد لہ سوی حدیثین منکرین۔

یعنی امام ابن المدینی نے فرمایا، میں نے ابن اسحٰق کی صرف دو حدیثیں غیر محفوظ پائیں۔

اور وہ دو حدیثیں بھی بیان کر دیں، جن میں یہ اذانِ خطبہ کی حدیث نہیں۔ تو بحمدہٖ تعالےٰ یہ صحیح و محفوظ ہے۔ اور وہ کون سا ہے کہ ہزارہا حدیثیں ابنِ اسحٰق کی طرح روایت کرے اور ان میں دو ایک بھی غیر محفوظ نہ ہوں۔ ائمہ نے امام مالک و امام بخاری کی بعض احادیث کو بھی تو غیر محفوظ بتایا ہے۔

⑨ قال سمعت ابن عیینۃ یقول ما سمعت احدا یتکلم فی ابن اسحٰق الا فی قولہ فی القدر۔

امام سفیٰن بن عیینہ فرماتے ہیں میں نے کسی کو نہ سنا کہ ابن اسحٰق پر کسی بات میں کچھ طعن کرتا ہو، سوا قول قدر کے۔

⑩ لم یذکر ابن اسحٰق ابو عبد اللہ البخاری فی کتاب الضعفاء لہ، ص ۲۴۵

امام بخاری نے جو کتاب ضعیف راویوں کے بارے میں لکھی ان میں ابنِ اسحٰق کو ذکر نہ فرمایا۔

⑪ روی عباس عن ابن معین قال اللیث بن سعد لا اثبت فی یزید بن ابی حبیب من محمد بن اسحٰق۔

عباس دوری امام ابن معین سے راوی کہ امام لیث بن سعد نے فرمایا، یزید بن ابی حبیب کی احادیث میں محمد بن اسحٰق سے زائد کوئی معتمد نہیں۔

یہ امام اجل لیث بن سعد خود بھی تلامذۂ یزید بن ابی حبیب سے ہیں۔ اور ابن یونس نے کہا روی عنہ الاکابر من اھل مصر، اکابر اہل مصر نے ابن ابی حبیب سے حدیثیں روایت کیں، تو امام لیث بن سعد محمد بن اسحٰق کو ان سب اکابر پر ترجیح دیتے ہیں۔

⑫ قال ابو زرعۃ سالت یحیٰی

امام ابو زرعہ کہتے ہیں میں نے امام یحیٰی بن

بن معین عن ابن اسحٰق ھو حجۃ قال ھو صدوق الحجۃ عبید اللہ ابن عمر الخ

معین سے پوچھا کہ محمد بن اسحٰق حجت ہیں، فرمایا وہ نہایت سچے ہیں، حجت جیسے کہتے ہیں وہ عبید اللہ بن عمر وغیرہ فلاں فلاں اکابر ہیں۔

(۱۳) ابو جعفر النفیلی حدثنی عبد اللہ بن فائد قال کنا نجلس الی ابن اسحٰق فاذا اخذ فی فن من العلم ذھب المجلس بذلک الفن۔

ابو جعفر نفیلی کہتے ہیں مجھ سے عبد اللہ بن فائد نے بیان کیا ہم محمد بن اسحٰق کے پاس بیٹھتے جب وہ علم کے کسی فن میں کلام شروع کرتے تو ساری مجلس اسی فن میں ختم ہو جاتی۔

امام شافعی و امام سفیان ثوری امام اجل زہری سے روایت فرماتے ہیں۔

(۱۴) لا یزال بالمدینۃ علم ما دام بھا۔

یعنی مدینہ طیبہ میں ہمیشہ علم باقی رہے گا۔ جب تک محمد بن اسحٰق اس میں ہے۔

یہ روایت خلاصۂ تذہیب میں ان الفاظ سے ہے۔

لا یزال بالمدینۃ علم جم ما کان فیھا ابن اسحٰق۔

مدینہ طیبہ میں علم کثیر رہے گا۔ جب تک ابن اسحٰق اس میں ہے۔

(۱۵) قال یزید بن ھرون سمعت شعبۃ یقول لو کان لی سلطان لامرت ابن اسحٰق علی المحدثین۔

امام شعبہ فرماتے ہیں اگر میری سلطنت ہوتی تو میں ضرور محمد بن اسحٰق کو تمام محدثین پر سردار بناتا۔

(۱۶) ابن المبارک عن ابن اسحٰق فذکر بسندہ عن سھل بن حنیف رضی اللہ عنہ۔

(فذکر الحدیث ثم قال) فھذا حکم تفرد بہ محمد قال الترمذی ھذا حدیث صحیح لا نعرفہ

یعنی یہ حدیث باب احکام کی ہے اور تنہا ابن اسحٰق نے روایت کی بایں ہمہ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے، ہمارے علم

الا من حدیث ابن اسحٰق۔ | میں محمد بن اسحٰق کے سوا کسی نے روایت نہ کیا۔

(۱۷) امام ابن عدی کہتے ہیں۔

لم یتخلف فی الروایۃ عنہ الثقات والائمۃ وھو لا باس بہ — ائمہ اور ثقات ابن اسحٰق سے روایت کرنے سے نہ ہٹے اور ابن اسحٰق میں کوئی عیب نہیں۔

(۱۸) قال یعقوب بن شیبۃ سألت ابن المدینی عن ابن اسحٰق قال حدیثہ عندی صحیح قلت وکلام مالک فیہ قال مالک لم یجالسہ ولم یعرفہ۔ — یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں میں نے امام ابن المدینی سے محمد بن اسحٰق کی نسبت پوچھا فرمایا میرے نزدیک ان کی حدیث صحیح ہے میں نے کہا امام مالک نے جو ان میں کلام کیا ہے، فرمایا مالک کو ان کی صحبت نہ ملی نہ مالک نے انہیں پہچانا۔

(۱۹) انہیں امام علی کا قول ۳۹ میں آتا ہے۔

(۲۰) قال احمد بن عبد اللہ العجلی ابن اسحٰق ثقۃ۔ — امام احمد عجلی کہتے ہیں ——— ابن اسحٰق ثقہ ہیں

تھانوی صاحب کی اس تحریر میں صرف میزان الاعتدال کی عبارت نقل کرنے میں بیس[۲۰] خیانتیں کی ہیں، مسلمانو! انصاف کیا اسی کا نام دینداری اور دیانتداری ہے۔

تہذیب التہذیب میں دیوبندی خیانتیں

(۲۱) قال المفضل الغلابی سألت ابن معین عنہ فقال کان ثقۃ وکان حسن الحدیث۔ — مفضل غلابی کہتے ہیں، میں نے امام ابن معین سے ابن اسحٰق کی نسبت پوچھا، فرمایا ثقہ تھے اور ان کی حدیث حسن ہے۔

(۲۲) قال علی بن المدینی مدار حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ستۃ فذکرھم ثم قال فصار علم الستۃ عند اثنی عشر فذکر ابن اسحٰق فیھم۔ — امام ابن مدینی فرماتے ہیں، حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مدار چھ اماموں پر ہوا پھر ان چھ کا علم بارہ کے پاس آیا ——— ان میں سے ایک محمد بن اسحٰق ہیں۔

٭ ٭ ٭

(۲۳) قال ابن ابی خیثمہ عن ابن معین قال قال عاصم بن عمر بن قتادۃ لایزال فی الناس علم ما بقی ابن اسحٰق۔	ابن ابی خیثمہ نے امام ابن معین سے نقل کیا کہ امام عاصم بن عمر بن قتادہ نے فرمایا، جب تک ابن اسحٰق زندہ ہیں۔ ہمیشہ لوگوں میں علم باقی رہے گا۔
(۲۴) وقال ابن ابی خیثمہ عن ھٰرون بن معروف سمعت ابا معاویۃ یقول کان ابن اسحٰق من احفظ الناس فکان اذا کان عند الرجل خمسۃ احادیث او اکثر استودعھا ابن اسحٰق۔	ابن ابی خیثمہ ہارون بن معروف سے روایت کرتے ہیں میں نے ابو معاویہ کو کہتے سُنا محمد بن اسحٰق اعلیٰ درجے کے حافظ والوں میں تھے تو اگر کسی کے پاس پانچ حدیثیں ہوتیں یا زیادہ انہیں ابن اسحٰق کے سپرد کر دیتا، یعنی ان کے سامنے روایت کر دیتا کہ وہ احادیث

ان کے واسطے سے امت میں محفوظ رہیں۔

(۲۵) ابن فائد کا قول مذکور نمبر ۱۳

(۲۶) وقال صالح بن احمد عن علی بن المدینی عن ابن عیینۃ قال جالست ابن اسحٰق منذ بضع وسبعین سنۃ وما یتھمہ احد من اھل المدینۃ ولا یقول فیہ شیئًا	امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں، ستر برس سے زیادہ ہوئے جب سے میں ابن اسحٰق کے پاس بیٹھتا ہوں اہل مدینہ میں سے کوئی نہ انہیں متہم کرتا نہ ان پر کسی طرح کا طعن کرتا۔

یعنی ستّر برس سے زائد کی تو مجھے خبر ہے میری ان کی معرفت آج کی نہیں۔

(۲۷) قال الاثرم عن احمد ھو حسن الحدیث۔	اثرم نے امام احمد سے روایت کیا کہ فرماتے محمد بن اسحٰق کی حدیث حَسَن ہے۔
(۲۸) قال البخاری رأیت علی بن عبد اللّٰہ یحتج بحدیث ابن اسحٰق۔	امام بخاری فرماتے ہیں، میں نے علی بن عبد اللہ کو دیکھا کہ ابن اسحٰق کی حدیث کو حجت قرار دیتے۔

(۲۹) وقال ما رأيت احدا يتهم ابن اسحٰق۔

امام بخاری فرماتے ہیں، امام ابن المدینی نے فرمایا میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ ابن اسحٰق کو متہم سمجھتا ہو۔

* * *

(۳۰) والذی یذکر عن مالك فی ابن اسحٰق لا یکاد یتبین،

امام بخاری فرماتے ہیں ابن اسحٰق کے بارے میں امام مالک سے جو طعن ذکر کیا جاتا ہے وہ ثبوت تک پہونچتا معلوم نہیں ہوتا۔

* * *

(۳۱) وکان اسمٰعیل بن ابی اویس من اتبع من رأینا لمالك اخرج الی کتب ابن اسحٰق فی المغازی وغیرھا فانتخبت منها کثیرا۔

امام بخاری فرماتے ہیں ہم نے اسمٰعیل بن ابی اویس (امام مالک رضی اللہ عنہ کے بھانجے نیز امام کے چچازاد بھائی کے پوتے) سے زیادہ امام مالک کا پیرو کسی کو نہ دیکھا، انہوں نے مغازی وغیرہا میں ابن اسحٰق کی کتابیں مجھے دکھائیں، میں نے ان میں سے بہت کچھ فائدے چُنے۔

یعنی اگر امام مالک کو محمد بن اسحٰق کی حدیث پر اعتراض ہوتا تو ان کے شاگرد اور بھانجے اور پوتے کہ سب سے زیادہ ان کے پیرو تھے ابن اسحٰق کی کتابیں روایت نہ کرتے۔

(۳۲) وقال لی ابراھیم بن حمزۃ کان عند ابراھیم بن سعد عن ابن اسحٰق نحو من سبعۃ عشر الف حدیث فی الاحکام سوی المغازی وابراھیم بن سعد من اکثر اھل المدینۃ حدیثا۔

امام بخاری فرماتے ہیں مجھ سے ابراہیم بن حمزہ نے کہا کہ امام ابراہیم بن سعد کے پاس ابن اسحٰق سے مغازی کے سوا خاص باب احکام میں سترہ ہزار کے قریب حدیثیں تھیں۔ ابراہیم بن سعد مدینہ طیبہ کے کثیر الحدیث محدثین میں سے تھے۔

(۳۳) وقال عبید بن یعیش حدثنا یونس بن بکیر سمعت شعبۃ

امام بخاری فرماتے ہیں، امام شعبہ نے فرمایا محمد بن اسحٰق اپنی قوتِ حفظ میں سب مسلمانوں

یقول ابن اسحٰق امیر المؤمنین لحفظہ — کے سردار ہیں۔

(۳۴) و قال لی علی بن عبد اللہ نظرت فی کتب ابن اسحٰق فما وجدت علیہ الا فی حدیثین ویمکن ان یکونا صحیحین۔

امام بخاری فرماتے ہیں، مجھ سے امام علی بن عبد اللہ نے فرمایا، میں نے ابن اسحٰق کی کتابیں دیکھیں تو صرف دو حدیثوں پر مجھے ناگواری ہوئی اور ممکن ہے وہ دو بھی صحیح ہوں

(۳۵) قال ابو زرعۃ الدمشقی ابن اسحٰق قد اجمع الکبراء من اھل العلم علی الاخذ عنہ وقد اختبرہ اھل الحدیث فرأوا صدقا وخیرا مع مدحۃ ابن شھاب لہ

امام ابو زرعہ دمشقی فرماتے ہیں، بیشک اکابر اہل علم نے ابن اسحٰق کی شاگردی پر اجماع کیا، اور بیشک محدثین نے انہیں جانچا تو صدق و خیر نظر آئے، پھر خود ان کے استاذ امام زہری نے ان کی مدح کی۔

(۳۶) محمد بن عبد اللہ کا قول نمبر ۲ میں گذرا۔

(۳۷) وقال یعقوب بن شیبۃ سمعت ابن نمیر یقول اذا حدث عمن سمع منہ من المعروفین فھو حسن الحدیث صدوقا۔

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں، میں نے ابن نُمیر کو کہتے سنا ابن اسحٰق جب پہچانے ہوئے استاذوں سے حدیث روایت کریں تو ان کی حدیث حَسَن ہے وہ صَدوق ہیں۔

(۳۸) امام ابن المدینی کا قول نمبر ۱۸ میں گذرا۔

(۳۹) یہی امام فرماتے ہیں، ان حدیث ابن اسحٰق لیتبین فیہ الصدق یروی مرۃ حدثنی ابو الزناد و مرۃ ذکر ابو الزناد وھو من اروی الناس عن سالم بن ابی النضر وروی عن رجل عنہ وھو من اروی الناس عن عمرو بن شعیب وروی عن رجل عن ایوب عنہ

ابن اسحٰق کی حدیث میں صدق روشن ہے جن اساتذہ سے بکثرت حدیثیں خود سُنی ہیں، بعض حدیثیں ان میں سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں اور بعض دو واسطہ سے۔

(۴۰) قال یعقوب بن سفیٰن قال — امام علی نے فرمایا، میں نے ابن اسحٰق کی کوئی

علی لما اجد لابن اسحق الا حدیثین منکرین عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا نعس احدکم یوم الجمعۃ وعن زید بن خالد اذا مس احدکم فرجہ۔

حدیث غیر معروف نہ پائی سوائے دو کے، ایک یہ کہ جب کسی کو جمعہ کے دن اونگھ آئے ——— دوسری، جب تم میں کوئی اپنی شرمگاہ چھوئے۔

(۴۱) قال محمد بن عثمان ابی شیبۃ سئلت علیا منہ فقال صالح وسط۔

محمد بن عثمان ابی شیبہ کہتے ہیں، میں نے امام ابن المدینی سے ابن اسحٰق کا حال پوچھا، فرمایا صالح ہیں، اوسط درجہ کے،

(۴۲) قال ایوب وکان علی بن المدینی یثنی علیہ ویقدمہ

ایوب بن اسحٰق نے کہا امام علی ابن اسحٰق کے مداح تھے اور انہیں مقدم رکھتے۔

(۴۳) امام ابن معین کا ارشاد نمبر ۲ میں گذرا۔

(۴۴) قال یعقوب بن شیبۃ سألت ابن معین عنہ فقلت فی نفسك من صدقہ شئ قال لا ھو صدوق۔

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں، میں نے امام ابن معین سے پوچھا کیا آپ کے دل میں ابن اسحٰق کے سچے ہونے میں کوئی شبہہ ہے فرمایا نہیں وہ بہت سچے ہیں۔

(۴۵) قال ابو زرعۃ الدمشقی قلت لابن معین وذکرت الحجۃ محمد بن اسحٰق منھم فقال کان ثقۃ انما الحجۃ مالك و عبید اللہ بن عمرو۔

امام ابو زرعہ دمشقی کہتے ہیں، میں نے امام یحیٰی کے سامنے اس اعلیٰ پایہ کا ذکر کیا، جسے محدثین کی اصطلاح میں حجت کہتے ہیں، اور میں نے کہا محمد بن اسحٰق اسی درجۂ بلند پر تھے اس پر امام ابن معین نے فرمایا ابن اسحٰق ثقہ تھے۔ حجت تو مالک وعبید اللہ بن عمرو ہیں۔

(٤٦) قول امام عجلی کہ نمبر ۲۰ میں گذرا۔

(٤٧) قال ابن عيينة سمعت شعبة يقول محمد بن اسحٰق امير المؤمنين في الحديث وفي رواية عن شعبة فقيل له لم قال لحفظه وفي رواية لو سود احد في الحديث لسود محمد بن اسحٰق۔

امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں، میں نے امام شعبہ کو فرماتے سُنا کہ محمد بن اسحاق حدیث میں امیر المومنین ہیں، کسی نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اپنے حفظ کے سبب، اور فرمایا اگر حدیث میں کسی کو سردار بنایا جاتا تو محمد بن اسحٰق سب کے سردار ہوتے۔

(٤٨) قال ابن سعد كان ثقة

امام ابن سعد نے کہا محمد بن اسحٰق ثقہ تھے۔

(٤٩) قال ابن عدي ولمحمد بن اسحٰق حديث كثير وقد روى عنه ائمة الناس ولو لم يكن له من الفضل الا انه صرف الملوك عن الاشتغال بكتب لا يحصل منها شئ الى الاشتغال بمغازي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ومبعثه ومبدأ الخلق لكانت هذه فضيلة سبق اليها وقد صنفها بعده قوم فلم يبلغوا مبلغه وقد فتشت احاديثه الكثيرة فلم اجد فيها ما يتهيأ ان يقطع عليه

امام بن عدی نے کہا، محمد بن اسحٰق کی حدیث کثیر ہے اور بیشک مسلمانوں کے اماموں نے ان سے حدیث روایت کی اور ان کی اور کوئی فضیلت نہ ہوتی سوا اس کے کہ انہوں نے بادشاہوں کو بیکار کتابیں دیکھنے سے پھیر کر رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جہاد اور بعثت شریفہ اور ابتدائے آفرینش کے مطالعہ میں مشغول کر دیا۔ تو ضرور یہ فضیلت ہے کہ وہی اس میں سابق رہے، ان کے بعد اور علماء نے اس میں تصنیفیں کیں۔ مگر ان کے مرتبہ تک نہ پہونچے اور بیشک میں نے ان کی احادیث کی جو کثیر وافر ہیں تفتیش کی تو ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہ ملی

بالضعف وربما اخطأ او یهم
فی الشئ بعد الشئ کما یخطئ غیره
وهو لا بأس به

جس پر ضعف کا یقین ہو سکے ہاں کبھی اتفاقاً بعض
باتوں میں خطا یا وہم واقع ہوتا ہے، جیسے
اوروں سے ہوتا ہے ان میں اصلاً کوئی برائی نہیں

(۵۰) قال ابن المدینی ثقة لم
یضعه عندی الا روایته عن
اهل الکتاب

امام ابن المدینی نے فرمایا، محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں
انہیں اس نے بیجا کیا کہ وہ اہل کتاب سے
روایت کرتے ہیں۔

امام ذہبی نے کہا۔

ماالمانع من روایة الاسرائیلیات
عن اهل الکتاب مع قوله رسول
الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم
حدثوا عن بنی اسرائیل ولا
حرج -

بنی اسرائیل کے وقائع اہل کتاب سے روایت
کرنے کو کس نے منع کیا، حالانکہ رسول اللہ
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بنی
اسرائیل سے روایت کرو، اس میں کچھ
حرج نہیں۔

(۵۱) لما سئل ابن المبارک
قال انا وجدناه صدوقا ثلث
مرات -

امام اجل سیدی عبد اللہ بن مبارک سے ابن اسحٰق
کو پوچھا گیا، فرمایا بیشک ہم نے انہیں بہت سچا
پایا، بیشک ہم نے انہیں بہت سچا پایا، بیشک
ہم نے انہیں بہت سچا پایا۔

(۵۲) قال ابن حبان ولم یکن
احد بالمدینة یقارب ابن اسحٰق
فی علمه ولا یوازیه فی جمعه وهو
من احسن الناس سیاقا للاخبار -

امام ابن حبان نے کہا، تمام مدینے بھر میں
کوئی ایسا نہ تھا کہ علم میں ابن اسحٰق کے قریب
یا جمع احادیث میں ان کا ہمسر ہو، وہ نہایت
خوبی سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

(۵۳) یحیی بن یحیی ذکر عنده
محمد بن اسحٰق فوثقه -

امام یحیی بن یحیی کے سامنے ابن اسحٰق کا تذکرہ
ہوا، فرمایا وہ ثقہ ہیں۔

(۵۴) قال ابو یعلی الخلیلی محمد بن

امام ابو یعلی خلیلی نے کہا، محمد بن اسحٰق بڑے

اسحٰق عالم کبیر واسع الروایۃ والعلم ثقۃ

عالم ہیں۔ ان کی روایت ان کا علم وسیع ہے، ثقہ ہیں۔

(۵۵) قال ابن البرقی لم ار اھل الحدیث یختلفون فی ثقتہ و حسن حدیثہ و روایتہ و فی حدیثہ عن نافع بعض الشئ۔

امام ابن البرقی نے کہا میں نے علمائے حدیث سے کسی کو نہ دیکھا کہ ابن اسحٰق کے ثقہ اور ان کی حدیث و روایت کے حسن ہونے میں اختلاف کرتے ہوں۔ ہاں! نافع سے ان کی روایت میں کچھ ہے۔

(۵۶) قال ابو زرعۃ صدوق۔

امام ابو زرعہ نے فرمایا، ابن اسحٰق بہت صادق ہیں۔

(۵۷) قال الحاکم قال محمد بن یحیی ھو حسن الحدیث عندہ غرائب و روی عن الزھری فاحسن الروایۃ۔

حاکم نے کہا، امام محمد بن یحیی نے فرمایا، ابن اسحٰق کی حدیث حسن ہے ان کے پاس بعض اَفرادہیں[1]، اور انہوں نے زہری سے روایت کی تو بہت اچھی روایت کی۔

حدیث اذان جمعہ زہری ہی سے روایت کی ہے ـــــ

(۵۸) قال الحاکم و ذکر عن البوشنجی انہ قال ھو عندنا ثقۃ ثقۃ۔

حاکم نے کہا، امام بوشنجی سے منقول کہ محمد بن اسحٰق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں، ثقہ ہیں۔

یہ اڑتیس ۳۸ خیانتیں تہذیب التہذیب میں ہوئیں، آدمی بہادر ہو تو ایسا ہو۔

کتاب الترغیب والترہیب میں دیوبندی خیانتیں

(۵۹) محمد بن اسحٰق احد الائمۃ الاعلام۔ محمد بن اسحٰق مشاہیر ائمہ سے ہیں۔

---

[1] یہ فرد کی جمع ہے۔ یہ حدیث کی ایک قسم ہے، جس حدیث کے راوی ہر طبقے میں صرف ایک ہوں اسے فرد اور غریب کہتے ہیں۔ اس غریب کی جمع غرائب ہے ـــــ عبدالحق۔

(۶۰) حدیث حسن۔	ابن اسحٰق کی حدیث حَسَن ہے۔
(۶۱) قال احمد بن حنبل هو حسن الحدیث	امام احمد نے فرمایا —— انکی حدیث حَسَن ہے۔
(۶۲) قال احمد العجلی ثقة	امام احمد عجلی نے کہا ابن اسحٰق ثقہ ہیں۔
(۶۳) قال علی بن المدینی حدیثه عندی صحیح۔	امام علی بن مدینی نے کہا، ابن اسحٰق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔
(۶۴) قال شعبة ابن اسحٰق امیر المؤمنین فی الحدیث۔	امام شعبہ نے کہا ابن اسحٰق حدیث میں مسلمانوں کے بادشاہ ہیں۔
(۶۵) قد استشهد به مسلم فی صحیحه بجملة من حدیث ابن اسحٰق وصحح له الترمذی حدیث سهل بن حنیف رضی اللّٰہ عنه فی المذی۔	بیشک امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن اسحٰق کی کتنی ہی حدیثوں سے شہادت لی، اور امام ترمذی نے حکم مذی میں سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث محمد بن اسحٰق سے روایت کرکے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔
(۶۶) احتج به ابن خزیمة فی صحیحه	امام الائمہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ابن اسحٰق کو حجت مانا ہے۔
(۶۷) وبالجملة فهو ممن اختلف فیه وهو حسن الحدیث۔	غرض ان میں اختلاف ہوا اور قول فیصل یہ ہے کہ ان کی حدیث حَسَن ہے۔

یہ نو خیانتیں کتاب الترغیب والترہیب میں تھانوی صاحب نے کی ہیں۔

جوہر النقی میں دیوبندی خیانتیں

(۶۸) جلد اول ص ۲۳۶ ابن اسحٰق ثقة اھ ملتقطاً۔ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں۔

(۶۹) قد اخرجه الترمذی من جهة ابن اسحٰق وقال حسن صحیح	بیشک امام ترمذی نے ابن اسحٰق سے حدیث روایت کرکے فرمایا یہ حدیث حَسَن صحیح ہے۔

(۷۰) واخرجہ ابوداؤد ایضاً من جہتہ وسکت عنہ — امام ابو داؤد نے بھی ابن اسحٰق سے روایت کرکے اس پر سکوت فرمایا۔
یعنی، کم ازکم ان کے نزدیک ابن اسحٰق کی حدیث حَسَن ہے۔ جیسا کہ خود وجوہ ہُر السنی سے آگے منقول ہوگا۔
بعون اللہ تعالیٰ وللہ الحمد، مسلمانو! یہ ہیں وہ قاہر و باہر روشن ظاہر توثیقیں جنہیں اجمال و اہمال کے پردہ میں چھپاکر صرف چند ضعیف وسخیف ومبہم ونا مُسَلَّم طعن تمہیں دکھائے۔ اس لئے کہ چاند پر خاک ڈالے اور اندھیری میں عوام کو گمراہ بنالے، اگر وہ دیوبندی تحریران کتب کی تمام عبارات امانت کے ساتھ نقل کرلاتی، تو اکابر ائمہ عظام کی ان عظیم وجلیل توثیقوں کے آفتاب روشن کے حضور طعن بے ثبات کی تاریکی آپ ہی دھواں بنکر اڑجاتی یا کم ازکم محمد بن اسحٰق کی بے وقعتی وہم و گمان کو بھی مسلمانوں کے دل میں نہ آنے پاتی۔ خیر چار ہی کتابوں میں ستر خیانتیں تو یہ ہوئیں، آگے چلئے۔
ثانیاً: ابن اسحٰق پر بڑا طعن کذب کا ہے۔ اجلہ ائمہ نے اس کے وہ قاہر جواب ارشاد فرمائے، جن کے حضور ہر طالبِ حق کی گردن جھک جائے۔ اور ایک امام کبیر العلم جلیل الشان کا دامنِ صدق اِس بدنما داغ سے پاک وصاف نظر آئے۔ وہ عالی جوابات انہیں میزان الاعتدال وتہذیب التہذیب کے انہیں ورقوں میں آفتابِ روشن کی طرح چمک رہے ہیں۔ اور یہ دونوں کتابیں اس کے پاس بھی ہیں کہ ان سے بلا وساطت نقل کی ہے۔ یہ تحریر اِن جوابوں کی نقل کرلاتی تو اپنے ہی گھر گھروندا بناتی، سارے مکروفریب کی بناڈہ جاتی۔ اور خدا جانے کیا مصیبت کیسی کٹھن پڑی کہ جوابوں کی بالکل نفی بھی نہ بن پڑی۔ ورنہ ایسے کو یہ کہتے کیا لگتا تھا، کہ طعن کذب کا کسی نے جواب نہ دیا۔ بلکہ یہ کہتے کیا باک تھا، کہ سب نے قبول کرلیا۔ مگر امام اجل احمد بن حنبل وامام بخاری وغیرہما اکابر کی برکت کہ اس نے بڑا انکار نہ کرنے دیا، بلکہ شرمائی ہوئی نظر، جھنپی ہوئی نگاہ سے یہ کھسیانی ادا دکھائی کہ دیگر محدثین اِن

جرح کی تاویلاتِ رکیکہ کرتے ہیں ۔

یعنی امام احمد، وامام ابن المدینی، وامام بخاری، وامام ابن حبّان، وامام مزی، وامام ذہبی، وامام عسقلانی، وامام ابن الہمام حنفی وغیرہم جیسے اکابر ائمہ شان رکیک لچر پوچ بناوٹوں سے زبردستی ابن اسحٰق کو سچا بتاتے ہیں ۔ میزان وتہذیب تیرے سامنے ہے، کیوں عوام مسلمین کو دھوکہ دیتی ہے بے ایمانی کی پٹی دیوبندیت کی آنکھ سے اٹھا کر سوجھ کہ ائمہ حدیث نے تاویلیں کی ہیں یا حق دکھایا ہے، رکیک بناوٹیں کی ہیں یا قاہر رد فرمایا ہے ۔

مسلمانو! ائمہ دین نے محمد بن اسحٰق پر طعن کذب کے بارہ قاہر رد فرمائے ہیں ۔ جن کو یہ تحریر یکسر اڑا کر رکیک تاویلوں کا آنچل ڈال کر چھپانا چاہتی ہے ۔ یہاں اس نے جو جو عبارتیں میزان الاعتدال وتہذیب التہذیب کی اڑائی ہیں سترکے بعد ہم ان کا شمار حاشیہ پر کر دیں گے ۔

مسلمانو! ابن اسحٰق پر یہ طعن دو وجہ پر منقول ہوا ـــــ ایک سلیمان تیمی سے، اس کے دو کھلے رد ہیں ۔

رد اول :۔ اس کی کوئی وجہ انہوں نے نہ بتائی ـــــ

(۱) تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۵

واما سلیمٰن التیمی فلم یتبین لی لای شئ تکلم فیہ ۔ وہ وجہ مجھ پر ظاہر نہیں ہوئی کہ سلیمان تیمی نے کس وجہ سے وہ بات کہی ہے ۔

یہ تو جرح مبہم ہے، اور تعدیل کے مقابل مبہم بات مردود، خصوصاً ایسے امام کبیر کے حق میں، اس کا واضح بیان ان شاء اللہ المنان حصہ دوم میں آئے گا ۔ یہاں اس قدر کافی کہ امام جلال الدین سیوطی تدریب الراوی شرح تقریب امام نووی میں قول مصنف ـــــ ولا یقبل الجرح الا مبین السبب ـــــ کی مثالوں میں فرماتے ہیں ـــــ قال الصیرفی وکذا اذا قالوا فلان کذاب لابد من بیانہ لان الکذب یحتمل الغلط ـــــ یعنی طعن مقبول نہیں جب

تک اس کا سبب بیان نہ کیا جائے ۔ امام صیرفی نے کہا، مثلاً اگر جرح کرنے والا کسی کو کذاب کہیں تو ضرور ہے کہ اس کی وجہ بیان کریں کہ کذب نادانستہ غلطی کو بھی کہتے ہیں ۔

رد دوم :۔ سلیمٰن تیمی اس فن جرح وتعدیل کے اہل ہی نہیں ۔ تو اس میں انکی بات کا کیا لحاظ ۔

(۷۲) امام حافظ الشان تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۵ میں فرماتے ہیں ۔

سلیمٰن لیس من اھل الجرح والتعدیل سلیمٰن تیمی جرح وتعدیل کے اہل نہیں ،

دوم یحییٰ ووہیب ومالک وہشام سے ، اس میں مدار صرف بیان ہشام پر ہے باقی تین نے ایک دوسرے کی تقلید کی اور اقرار فرمالیا کہ خود ہم کو کوئی وجہ ابن اسحٰق کے کذب کی معلوم نہیں ، بلکہ ہم نے فلاں کو ایسا کہتے سُنا ۔ میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۴۵ میں ہے سلیمٰن بن داؤد کہتے ہیں ، یحییٰ قطان نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے ، میں نے کہا آپ کو کیا خبر ، کہا مجھ سے وہیب نے کہا تھا ، اور میں نے وہیب سے پوچھا تھا کہ تم نے کیونکر جانا تو کہا مجھ سے مالک بن انس نے فرمایا تھا ۔ اور میں نے مالک سے دریافت کیا تھا کہ آپ کو کیا معلوم تو فرمایا مجھ سے ہشام بن عروہ نے فرمایا تھا اور میں نے ہشام سے استفسار کیا تھا کہ تم کیا جانو ، تو کہا ۔

حدث عن امرأتی فاطمة بنت المنذر، وادخلت علی وھی بنت تسع وما رآھا رجل حتی لقیت اللہ تعالیٰ ۔	وہ میری زوجہ فاطمہ بنت المنذر سے حدیث روایت کرتا ہے اور فاطمہ نو برس کی تھیں جو میرے گھر بیاہ کر آئیں ، اور تادم مرگ کسی نے انہیں نہ دیکھا ۔

بس یہ ہے وہ شور وغل جس پر یہ تحریر دیوبند کی زمین سر پر اٹھا ۔ معلوم ہے سارا نچوڑ ہشام کے بیان پر ہے اور وہ اصلاً مفید نہیں ۔ ائمہ حدیث نے اس کے کئی رد فرمائے ہیں ۔

رد اول :۔ (۷۳) امام بخاری اشارہ فرماتے ہیں کہ یہ قول ہشام سے ثابت ہی نہیں

کما سیاتی ۔

رد دوم:۔ ہشام سے جو قول مروی ہوا صریح غلط ہے اس میں ہے کہ فاطمہ بنت المنذر جب میرے پاس بیاہ کر آئیں، نو برس کی تھیں۔ حالانکہ وہ اپنے شوہر ہشام سے تیرہ برس بڑی ہیں۔ تو جب وہ نو برس کی تھیں ہشام ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ اس کے چار برس بعد ان کی ولادت ہوئی۔

(۷۴) امام ذہبی میزان جلد ۲ ص ۳۴۵، و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۶

قولہ وھی بنت تسع غلط لانھا اکبر من ھشام بثلاث عشر سنۃ۔	ہشام کا یہ کہنا کہ وہ نو برس کی تھی غلط ہے۔ کیونکہ وہ ہشام سے تیرہ سال بڑی تھی۔

خود ہشام نے اسے بیان کیا ہے۔ تہذیب جلد ۱۲ ص ۴۴۴۔

(۷۵) قال ھشام بن عروۃ کانت اکبر منی بثلاث عشر سنۃ۔	ہشام نے فرمایا۔ فاطمہ مجھ سے تیرہ سال بڑی تھیں۔

رد سوم:۔ فاطمہ پردہ نشیں ضرور تھیں اور انہیں کسی غیر شخص نے نہ دیکھا، مگر اس سے یہ کب لازم آیا کہ کوئی نامحرم ان سے روایت بھی نہ کرے۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے زائد کس کا پردہ ہوگا۔ پھر صدہا نے ان سے حدیثیں سنیں، اور روایت کیں۔

(۷۶) ابن حبان کتاب الثقات میں فرماتے ہیں۔

اما قول ھشام فلیس مما یجرح بہ الانسان وذلک ان التابعین سمعوا من عائشۃ من غیر ان ینظروا الیھا۔ تہذیب ص ۴۵	ہشام کا قول جرح نہیں کیونکہ تابعین نے حضرت عائشہ سے سنا، بغیر اس کے کہ انہیں دیکھیں۔

رد چہارم:۔ ہشام تو رجل کی نفی کرتے ہیں کہ کسی مرد نے ان کو نہ دیکھا۔ رجل

مرد بالغ کو کہتے ہیں۔ ممکن کہ ابن اسحٰق نے اپنی نابالغی میں فاطمہ سے حدیثیں سُنی ہوں یہ جواب امام بخاری کے استاذ اجل امام ابن المدینی نے افادہ فرمایا۔

(۷۷) قال علی الذی قال هشام لیس بحجة لعله دخل امرأته وهو غلام فسمع منها ــــ تہذیب امام ابوالحاج و تہذیب التہذیب ص ۳۴ ــ

ردِ پنجم: ــ ہشام عمر بھر کی نفی کیونکر کر سکتے ہیں، ہر وقت تو گھر میں رہتے نہ تھے، کیا دشوار ہے کہ ابن اسحٰق حاضر ہوئے اور اذن طلب کیا فاطمہ نے اذن فرمایا اور پردے کے اندر سے انہیں حدیث سنائی۔ یہ جواب امام احمد و امام بخاری و امام ابن حبّان نے افادہ فرمایا ــــ

(۷۸) امام مزی و تہذیب التہذیب ص ۴۱

قال عبد الله حدثنا ابی بذلك فقال ولم ینکر هشام لعله جاء فاستاذن علیها فاذنت له قال احسب قال ولم یعلم

ہو سکتا ہے ابن اسحٰق نے آکر اجازت طلب کی اور فاطمہ نے اجازت دی اور ہشام کے علم میں یہ بات نہ ہوئی ہو۔

؎ ؎ ؎

(۷۹) ثقات ابن حبّان میں ہے۔

کذلك ابن اسحٰق كان سمع من فاطمة والستر بینهما مسبل، تہذیب ص ۴۵ ۔

ایسے ہی ابن اسحٰق نے فاطمہ سے سُنا ہو، اور دونوں کے مابین پردہ ہو۔

(۸۰) امام بخاری کی عبارت آتی ہے۔

ردِ ششم: ــ آخر اس زمانے میں بیبیاں نقاب کے ساتھ مساجد میں آتی ہی جاتی تھیں۔ ممکن کہ ابن اسحٰق نے ان سے حدیث سُنی ہو اس کی خبر ہشام کو ہونی کیا ضرور۔

(۸۱) امام ذہبی، قلت وما یدری هشام بن عروة فلعله سمع منها

ہشام بن عروہ کو کیا پتہ ہو سکتا ہے، مسجد میں سُنا ہو۔

فی المسجد ۔ میزان الاعتدال ص ۳۴۴

ردِ ہفتم :۔ ممکن کہ ابن اسحٰق نے فاطمہ سے بذریعہ کتابت روایت کی ہو۔

(۸۲) امام بخاری جزء القراۃ میں فرماتے ہیں۔

ولو صح عن ہشام جائز ان نکتب الیہ فان اھل المدینۃ یرون الکتاب جائزا وجائز ان یکون سمع منہا وبینہما حجاب۔

یعنی ہشام سے یہ اعتراض ثابت ہی نہیں، اور اگر بالفرض صحیح ہو تو جائز ہے کہ فاطمہ نے حدیث ابن اسحٰق کو لکھ بھیجی ہو کہ اہل مدینہ بذریعہ کتابت روایت کو جائز جانتے ہیں، جائز ہے کہ ابن اسحٰق نے پردے کی آڑ سے حدیث سُنی ہو۔ تہذیب امام مزی و تہذیب التہذیب، جلد ۹، ص ۴۲۔

ردِ ہشتم :۔ کچھ بھی سہی محمد بن سوقہ کوفی ثقہ عابد کہ تمام صحاح ستہ کے رجال سے ہیں۔ یہ بھی تو فاطمہ سے حدیث روایت فرماتے ہیں۔ انہوں نے کیسے سُنی۔

اقول : یوں ہی محمد بن اسماعیل بن یسار نے بھی فاطمہ سے حدیث سُنی ۔۔ کما فی التہذیب من ترجمتہا ۔۔۔ تو ہشام کا انکار رد ہو گیا۔

(۸۳) ذہبی (۸۴) امام عسقلانی ۔۔

قد روی عنہا ایضا غیر محمد بن اسحٰق من الغرباء محمد بن سوقہ۔

فاطمہ سے محمد بن اسحٰق کے علاوہ اور بھی لوگوں نے سُنا۔ مثلاً محمد بن سوقہ نے۔

میزان ص ۳۴۵، وتہذیب التہذیب، جلد ۹ ص ۴۶،

ردِ نہم :۔ ہشام تو دیکھنے کے منکر ہیں کہ فاطمہ کو کسی غیر نے نہ دیکھا، اور ابن اسحٰق ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ رویت در روایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پھر اعتراض کیا ہوا۔

(۸۵) امام ذہبی، الرجل فما قال انہ رآھا فبمثل ھذا یعتمد علی تکذیب رجل من اھل العلم ھذا مردود۔

یعنی ابن اسحٰق کب کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ کو دیکھا کیا ایسی بے علاقہ بات سے ایک عالم کی تکذیب پر اعتماد ہو گا؟ یہ مردود ہے۔

رددہم: ـ سب سے قطع نظر یہی تو ائمہ نے ان پر طعن مقبول نہ رکھا۔ پھر ایسی بات کہ ائمہ ناقدین کے حضور پیش ہو کر رد ہو چکی اسے دستاویز بنانا، کیوں کر جائز ہو ایسے مطاعن سنے جائیں تو سلف و خلف میں شاید ہی کوئی امام سلامت بچے۔ سب سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

(۸۶) یہ جواب امام بخاری نے ارشاد فرمایا۔ جزء القرأۃ میں فرماتے ہیں۔

ولم ینج کثیر من الناس من کلام بعض الناس فیھم نحو ما یذکر عن ابراھیم من کلامہ فی الشعبی وکلام الشعبی فی عکرمہ ولم یلتفت اھل العلم فی ھٰذا النحو الا ببیان وحجۃ ولم تسقط عدالتھم الا ببرھان وحجۃ۔	یعنی اکثر ائمہ وہی ہیں جن پر کسی نہ کسی نے طعن کیا ہے، جیسے امام اجل ابراہیم نخعی سے امام اجل شعبی میں کلام منقول ہے اور امام شعبی سے عکرمہ میں، علماء ایسی باتوں کی طرف التفات نہیں فرماتے جب تک دلیل و حجت سے ثابت نہ ہو، نہ جن پر طعن ہو بے دلیل و حجت ان کی عدالت ساقط ہوتی۔

تہذیب امام مزی و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۱۴۱

مسلمانو! یہ قاہر رد ہیں جن کو یہ دیوبندی تحریر رکیک تاویلیں بناتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آدمیاں گم شدند۔

ثالثا: دوسرا طعن دجل کا ہے کہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہوا ائمہ کرام نے اس کے چھ رد ارشاد فرمائے۔

رد اول: ـ امام بخاری فرماتے ہیں، امام مالک سے اس کا ثبوت متحقق نہیں، بلکہ ثابت نہ ہونا ہی قرین قیاس ہے، اس کے بطلان پر قرینہ موجود ہے۔ جیسا کہ ۳۰ و ۳۱ میں گذرا ــــــــــ امام محقق حنفیہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں، امام مالک سے محمد بن اسحٰق پر طعن ثابت نہیں، جیسا کہ گذارش سوم میں گذرا۔

رد دوم: ـ امام مالک نے اس سے رجوع فرمایا۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر، جلد اول، ص ۹۲ پر رقم طراز ہیں

ذکرہ ابن حبان فی الثقات وان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحٰق واصطلح معہ وبعث الیہ ھدیۃ ذکرھا ابن حبان ۔

ابنِ حبّان نے محمد بن اسحٰق کو ثقات میں ذکر کیا ہے، اور یہ کہ امام مالک نے ابن اسحٰق پر طعن سے رجوع کر لیا، اور ان سے صلح فرمائی، اور انہیں ہدیہ بھیجا ابن حبان نے وہ ہدیہ بھی بتایا ہے ۔

(۸۷) ابن حبان کتاب الثقات میں فرماتے ہیں ۔

اما مالک فان ذلک کان منہ مرۃ واحدۃ ثم عاد لہ الی مایحبُّ ولم یکن یقدح فیہ من اجل الحدیث انما کان ینکر تتبعہ غزوات النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم من اولاد الیھود الذین اسلموا وحفظوا قصۃ خیبر وغیرھا وکان ابن اسحٰق یتتبع ھٰذا منھم من غیر ان یحتج بھم وکان مالک لا یری الروایۃ الا عن مُتْقِنٍ ۔

امام مالک نے ایک بار ابن اسحٰق پر طعن کیا تھا، پھر ابن اسحٰق کے محبوب برتاؤ کی طرف رجوع فرمایا مالک کا طعن ان پر حدیث میں نہ تھا، بلکہ یہ بات ناپسند تھی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے قصے یہود کی اولاد سے پوچھتے جو اسلام لے آئے اور ان کو خیبر وغیرہ کے غزوے یاد تھے ۔ ابن اسحٰق کا یہ پوچھنا بھی اس طور پر نہ تھا کہ ان لڑکوں کا بیان حجت سمجھے مگر امام مالک روایت ایسوں ہی سے روا رکھتے تھے، جو نہایت ضبط و متانت والے ہوں، ابنِ اسحٰق کی صرف اِس بات پر امام مالک کا انکار تھا ۔

تہذیب التہذیب، جلد ۹، ص ۴۵

ردِ سوم :- بالفرض رجوع نہ بھی سہی تو امام ناقد کبھی کسی امام پر کسی وجہ خاص سے ایک امرِ خاص میں طعن فرماتا ہے ۔ اور وہ طعن اتنی ہی بات پر مقتصر رہتا ہے ۔ باقی امور میں وہ بھی اسے مقبول رکھتا، یہاں تک کہ خود اس سے احادیث اخذ کرتا ہے ۔

(۸۸) یہ جواب امام بخاری نے ارشاد فرمایا، جزء القرأۃ میں فرماتے ہیں ۔

لو صح عن مالک تناولہ من

یعنی اول تو امام مالک سے ابن اسحٰق پر طعن

ابن اسحٰق فلربما تکلم الانسان فیرمی صاحبہ بشئ ولا یتہمہ فی الامور کلھا قال ابراھیم بن المنذر عن محمد بن فلیح نہانی مالک عن شیخین من قریش وقد اکثر عنھما فی الموطا وھما ممن یحتج بھما۔

ثابت نہیں اور اگر بالفرض صحیح بھی ہو، تو ایسا بارہا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کسی رفیق پر ایک خاص بات میں طعن کرتا ہے اور سب باتوں میں اسے متہم نہیں سمجھتا ہے۔ محمد بن فلیح کہتے ہیں انہیں امام مالک نے مجھے دو قریشی عالموں سے روایت کو منع فرمایا اور خود مؤطا میں ان سے بکثرت روایات فرمائیں اور فی الواقع وہ دونوں حجت ہیں۔

رد چہارم :- امام مالک کو ابن اسحٰق سے واقفیت نہ تھی۔ ابن اسحٰق مدینہ طیبہ میں نہ رہے۔ ابتدا ہی میں کوفہ وجزیرہ ورَی وبغداد کی طرف کوچ کیا۔ اور بغداد شریف ہی میں قیام پذیر ہوئے۔ وہیں وفات پائی۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں کون سی حدیث روایت کی کہ امام مالک انہیں جانچتے؟ ——— یہ رد امام بخاری کے استاذ امام علی بن عبداللہ نے ارشاد فرمایا۔ اور ان کا یہ قول میزان الاعتدال سے نمبر ۱۸ میں اور تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۲ سے ۳۸ میں گزرا ——— کہ فرمایا و مالک لم یجالسہ ولم یعرفہ ——— تہذیب التہذیب میں امام ابن سعد سے ہے ——— کان خرج من المدینۃ قدیما فاتی الکوفۃ والجزیرۃ والری وبغداد واقام حتی مات بھا سنۃ ۱۵۱ھ۔

رد پنجم :- امام کا اعتراض ان کی حدیث پر نہیں بلکہ مذہب قدر کی تہمت کے سبب سے، ——— یہ جواب امام عبدالرحمٰن بن ابراہیم استاذ امام بخاری نے ارشاد فرمایا ——— اور امام مصعب زبیری استاذ الاستاذ امام بخاری واستاذ امام ابن معین نے تو مطلق فرمایا کہ ابن اسحٰق پر جس نے طعن کیا بوجہ حدیث نہ تھا۔ مزی ص ۱۹ وعسقلانی جلد ۹ ص ۴۲ ——— قال ابو زرعۃ الدمشقی ذاکرت دحیما قول مالک فیہ فرأی ان ذلک لیس للحدیث انما ھو لانہ اتھمہ بالقدر ایضا صفحہ مذکورہ

قال ابراھیم الحربی حدثنی مصعب قال کانوا یطعنون علیہ بشئ من غیر جنس الحدیث ـــــ اور ردّ میں گذرا کہ مذہب قدر کی ان کی طرف نسبت بھی محض خیال ہی خیال تھی ۔ وہ سب سے زیادہ اس سے دور تھے ۔ اور اس سے مفصل جواب حصّہ دوم میں آتا ہے ۔ انشاء اللہ تعالےٰ ۔

ردّ ششم :۔ وہی جو طعن کذب کا ردّ دہم تھا کہ سب جانے دو، آخر علمائے کرام نے طعن کو مقبول نہ رکھا تو اس سے استناد جہل وخرط القتاد، ـــــ یہ جواب امام محقق علی الاطلاق نے ارشاد فرمایا، اور ردّ دہم میں امام بخاری کا ارشاد اسکے موافق ہے ۔ فتح القدیر کا کلام گذارش سوم میں گذرا، اور اس کا تتمہ یہ ہے ۔

وروی عنہ مثل الثوری	اگر ابن اسحٰق پر امام کا طعن کرنا ثابت فرض
وابن ادریس وحماد بن زید	کرلیں تو علماء نے اسے مقبول نہ رکھا، اور
ویزید بن زریع وابن علیۃ	کیونکر قبول ہو حالانکہ امام شعبہ ابن اسحٰق
وعبد الوارث وابن المبارک	کو حدیث میں مسلمانوں کا بادشاہ کہتے، اور
واحتملہ احمد وابن معین	ان سے امام اجل سفیان ثوری وابن ادریس
وعامۃ اھل الحدیث ۔	وحماد بن زید ویزید بن زریع وابن عُلَیّہ

وعبدالوارث وامام اجل عبداللہ بن مبارک جیسے اکابر نے حدیث روایت کی اور امام اجل احمد بن حنبل وامام ابن معین اور عامہ علمائے محدثین نے ان کو مقبول رکھا ـــ

مسلمانو! یہ وہ جلیل ارشادات ہیں، جن کو یہ تحریر تاویلاتِ رکیکہ کہتی ہے،

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔

فائدہ : یہ اٹھارہ رَد ہیں کہ اکابر ائمہ نے ارشاد فرمائے ۔ کانپوری تحریر کو متعدد ثقات نے بیان کیا کہ جناب مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی ہے، جو کسی نامعروف شخص سے نسبت کردی ہے ۔ جناب تھانوی صاحب کے رَد میں اکثر بیس کا عدد ملحوظ رہا ۔ جیسا کہ رسائل ظفر الدین الجید، وظفر الدین الطیب، وکین کش پنجہ پیچ، وبارش سنگی، وپیکان جاں گداز، وغیرہا سے ظاہر ہے ۔ لہٰذا مناسب کہ دور د انہیں کی طرز

سکے اور اضافہ کریں کہ بیس کا عدد کامل ہو۔

ردِ نوزدہم:۔ یحیی القطان سے ہشام کی حکایتِ مذکورہ کے راوی ابو داؤد طیالسی ہیں۔ ان کی نسبت ائمہ محدثین کے یہ خیالات ہیں۔ حافظ الحدیث ابراہیم بن سعید جوہری نے فرمایا۔

اخطأ ابو داؤد فی الف حدیث	طیالسی نے ایک ہزار حدیثوں میں خطا کی

امام ابو حاتم رازی نے فرمایا۔

کان کثیر الخطاء۔	ان کی خطائیں کثیر تھیں۔

امام محمد بن منہال نے فرمایا۔

کنت اتہم ابا داؤد۔	میں ان کو متہم سمجھتا تھا۔

مجھ سے اقرار کیا کہ میں نے ابن عون سے کچھ نہ سُنا، پھر میں نے سال بھر وقفہ دیا کہ وہ اپنا کہا بھول جائیں۔ اس کے بعد پوچھا تم نے ابن عون سے حدیث سُنی، کہا ہاں بیس سے زائد حدیثیں ہیں۔ میں نے کہا کیا انہوں نے گنائیں تو ان میں کوئی حدیث ابن عون کی نہ تھی۔ سب یزید بن زریع کی تھیں، سوائے ایک کے کہ خدا جانے کس کی تھی۔ امام یزید بن زریع نے کہا دو حدیثیں کہ ہم نے شعبہ سے سُنی تھیں میں نے طیالسی سے بیان کیں، طیالسی نے انہیں مجھ سے لکھ لیا۔ پھر خود انہیں شعبہ سے روایت کرنا شروع کر دیا۔

رَدِ بستم:۔ ابو داؤد طیالسی سے اس کے راوی ابو قلابہ رقاشی ہیں۔

امام دارقطنی نے فرمایا۔

صدوق کثیر الخطاء فی الاسانید والمتون کان یحدث من حفظہ فکثرت الاوھام فی روایتہ	ہیں تو بہت سچے مگر سند والی اور حدیثوں سب میں بکثرت خطا کرتے ہیں، یاد پر حدیث روایت کرتے تو ان کی روایت میں بہت اغلاط واقع ہوتے۔

امام ابن خزیمہ نے فرمایا۔

حدثنا ابوقلابۃ قبل ان یختلط ویخرج الی بغداد ۔	یعنی جب سے وہ بغداد گئے ۔ ان کی عقل سلامت نہ رہی ۔

ابوالقاسم ابن بنتِ منیع سے مروی ۔

عندی عن ابی قلابۃ عشرۃ اجزاء مامنہا حدیث مسلّم اما فی الاسناد واما فی المتن ۔	میرے پاس ابوقلابہ کی روایت سے دس جز ہیں ، جن میں کوئی حدیث سلامت نہیں یا سند میں خطا ہے یا اصل حدیث میں ،۔

دیگر محدثین ان دونوں صاحبوں کی توثیق بھی کرتے ہیں ۔ لیکن ان ائمہ محدثین کے جرح منعدم تو نہ ہوجائیں گے ، ان کا کثیر الخطا ہونا تو نہ مٹ جائے گا ۔ یہی سبب ہے کہ امام بخاری نے سرے سے اس حکایت کو صحیح ہی نہ مانا ۔

کلام یہاں تک طویل ہوا توثیق ابن اسحٰق ثابت کرنے کی ایسی ضرورت نہ تھی وہ تو ائمہ حنفیہ وعامۂ محققین ومحدثین کے نزدیک ثابت ہی ہے نہ دیوبندی تحریر کی خیانتیں گنانے کی چنداں حاجت تھی کہ دیوبندیت وخیانت لازم وملزوم ہیں ، بلکہ دکھانا یہ ہے کہ اس نے تمام مذہب حنفی باطل کر دیا ۔ تمام ائمہ حنفی مجروح وغیر ثقہ کر دیئے ۔ امام محمد ، امام یوسف ، امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہم سب کو ہمیشہ کے لئے رَد کر دیا ۔ وہ کون سا ہے جس پر طعن نہ ہوئے ہوں ۔ خصوصًا اعلیٰ درجۂ کمال والے ، ع

کہ ہنر ہر چہ بیش دشمن بیش ،

خصوصًا ہمارے امام اعلیٰ مقام جن کے مدارکِ علیّہ تک بڑے بڑے ائمہ مجتہدین کی رسائی نہ تھی ۔ پھر نرے ظاہر بیں خادمانِ الفاظ محدثوں کی کیا گنتی ۔ ع والناس اعداء لما جھلوا ـــــ تو حسد الگ وجہ تھا اور نافہمی جُدا ، لہٰذا اس طائفہ کے بہت لوگ ان کی بدگمانی میں مبتلا ہوئے کوئی ناگفتنی اٹھا نہ رکھی ، بلکہ ان کے طفیل میں جو جو انکے تلامذہ ، ان کے یادگار ، ان کے پیرو چلے اپنی چلتی سب مجروح ومطعون بنائے ۔

اس دیوبندی تحریر نے تو ابن اسحٰق کی برائیوں میں ایک صفحہ ہی سیاہ کیا ہے ــــــ غیر مقلدوں کی تحریریں اور رافضیوں کی کتابیں تو امام محمد وامام ابو یوسف وامام اعظم کی برائیوں سے جز و کے جز و اپنے باطن ناپاک کی طرح سیاہ کرتی ہیں - اور وہ سب اقوال بڑے بڑے محدثوں ہی سے نقل لاتی ہیں ۔

حنفی سنی مسلمانو! اب اگر آپ اس کے جواب میں وہ مدحیں توثیقیں دکھائیے جو اکابر ائمہ نے ہمارے ائمہ کرام کی شان میں لکھیں، اور مطاعن کے وہ قاہر رد سنائیے جو اجلۂ محققین نے ارشاد کئے ہیں، تو وہ دیکھیے دیوبندی تحریر میں اس کا ٹکا سا جواب رکھا ہوا ہے کہ دیگر ائمہ محدثین ابو حنیفہ وابو یوسف ومحمد کی توثیق بھی کرتے ہیں، اور ان کی جرح کی تاویلات رکیکہ بھی کرتے ہیں، مگر ہم کو اس سے بحث نہیں کہ انکی جرح راجح ہے یا تعدیل خواہ جرح راجح ہو خواہ تعدیل لیکن ائمہ محدثین کی جرح بالکل معدوم نہ ہو جائیں گی - اس لئے ابو حنیفہ وابو یوسف ومحمد میں ہر ایک اگر معاذ اللہ کذاب نہ ہوگا تو متہم بالکذب ضرور ہوگا - اور اگر بدعتی نہ ہوگا تو متہم بالبدعۃ ضرور ہوگا ــــــ

اب فرمائیے! اس کا کیا جواب ہے - دیوبندی تحریر پہلے آپ کے سب راستے بند کر چکی ہے - امام اعظم وصاحبین رضی اللہ عنہم کے اسمائے طیبہ لیکر اپنی چھاتی کی دبی آگ کا بخار نہ نکالا کہ یوں تو ہر حنفی بھڑک جاتا، بلکہ سامان پورے ٹھیک کر لیئے، اور دوسرے پر ڈھال کر وار کیے، اور دوسرا بھی وہ تجویز کیا جو امام اعظم کا ہم استاذ، صاحبین کا استاذ و استاذ الاستاذ محمد بن اسحٰق، ہمارے امام اور وہ ایک ہی جگہ رہتے تھے، یعنی بغداد مقدس، اور ایک ہی زمانہ وفات ہے یعنی سنہ ۱۵۰ھ یا ابن اسحٰق کی وفات دو ایک برس بعد تاکہ ادھر تو تم کو اس پر جمائے کہ جب کچھ محدثین نے ایک امام پر جرحیں کر دیں تو اوروں کی توثیقیں ان کو معدوم نہیں کر سکتیں، اور دوں کے جواب کیسے ہی قوی در دشن ہوں رکیک تاویلیں ٹھہریں گی - وہ مجروح اگر چنیں وچناں نہ ہوا تو متہم تو

ضرور رہا۔ اور ادھر اپنے سگوں سوتیلوں کو ہلکار دے کہ تو اب ابوحنیفہ پر طعن کی بوچھاڑ کرو، اور ابویوسف و محمد پر بھر مار کرو، تمہارے دلوں میں تو وہ ناپاک اصول جما ہی چکی ہے، بعینہٖ وہی یہاں کام آجائیں گے۔ اور تینوں امام زیادہ نہیں تو معاذ اللہ! متہم بالکذب تو ضرور ٹھہر جائیں گے، اور متہم بالکذب وہ بدتر درجہ ہے کہ ضعیف و متروک ساقط و ہالک سے بھی گیا گذرا ہے۔ اس کے بعد بس کھلے وضاع، کذاب کا مرتبہ ہے۔ (دیکھو تقریب و میزان وغیرہا کتبِ فن)

اور امام جلال الدین سیوطی، و امام بدر الدین زرکشی وغیرہا ائمہ متہم بالکذب کی حدیث کو موضوع ٹھہراتے ہیں، تو حنفیہ کے اماموں کی سب حدیثیں موضوع ٹھہریں، اور مطلقاً مردود ہونے میں تو کچھ شک نہ رہا۔

رہی فقہ اس کے امام کا دینِ خدا میں امین و معتمد ہونا قطعاً ضرور اور متہم بالکذب امین و معتمد نہیں۔ لہٰذا فقہ حنفی بھی باطل اور ابوحنیفہ و ابویوسف و محمد کی تقلید حرام۔

مسلمانو! اب تو اس کی چال سمجھے، دیکھو اسی دن کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ــــــ فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم ــــــ ان سے دور بھاگو، اور انہیں اپنے سے دور کرو، وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں ــــــ والعیاذ باللہ رب العلمین، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ــــــ

مسلمانو! دیوبندی چوٹ نہ فقط مذہب حنفی بلکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم پر بھی بہت گہری ہے۔ اس کے طور پر صحیحین میں بھی کذاب وضاع بھرے پڑے ہیں۔ ورنہ کم از کم متہم بالکذب والوضع تو ضرور ہیں، تو صحیح بخاری و مسلم کی حدیثیں صحیح ہونا بالائے طاق اصلاً قابل اعتبار بھی نہیں۔ موضوع و مردود و واہیات ہیں۔ مثلاً رجال صحیحین سے احمد بن عیسیٰ تستری ہیں ــــــ قال ابو داؤد یحییٰ بن معین حلف باللہ ان

کذاب قال ابوزرعہ ما رأیت اہل مصر یشکون فی انہ واشار الی لسانہ — اسمٰعیل بن ابی اویس — قال یحیی بن معین ابن ابی اویس وابوہ یسرقان الحدیث وقال ایضا مخلط یکذب وقال النضر بن سلمۃ المروزی ابن ابی اویس کذاب وقال الازدی حدثنی سیف بن محمد ان ابی اویس کان یضع الحدیث وقال سلمۃ بن شبیب سمعت اسمٰعیل بن ابی اویس یقول ربما کنت اضع الحدیث لاہل المدینۃ اذا اختلفوا فی شئ فیما بینہم —

شجاع بن الولید ابو بدر — قال الامام احمد لقیہ ابن معین یوما فقال لہ یا کذاب — عبدالحمید الاصبحی ابو بکر الاعشی — قال الازدی فی ضعفائہ ابو بکر الاعشی یضع الحدیث — عبدالرزاق بن ہمام — قال عباس بن عبد العظیم العنبری واللہ الذی لا الہ الا ہو ان عبد الرزاق کذاب وقال زید بن المبارک کان عبد الرزاق کذابا یسرق الحدیث — عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما — قال ابن لہیعۃ عن ابی الاسود کانوا یقولون ما اکذبہ وقال ابو خلف الخزار عن یحیی البکاء سمعت ابن عمر یقول لنافع لا تکذب علی کما کذب عکرمۃ علی ابن عباس وقال ابراہیم بن سعد عن ابیہ عن سعید بن المسیب انہ کان یقول لغلامہ برد یا برد لا تکذب علی کما یکذب عکرمۃ علی ابن عباس وقال جریر بن عبد الحمید عن یزید بن ابی زیاد دخلت علی علی بن عبد اللہ بن عباس وعکرمۃ مقید علی باب الحش قلت ما لہذا قال انہ یکذب علی ابی وروا ایضا عن عبد اللہ بن الحارث انہ دخل علی علی الخ — وقال القاسم بن محمد بن الصدیق ان عکرمۃ کذاب یحدث غدوۃ حدیثا ویخالفہ عشیۃ وقال محمد بن سیرین ما یسوئنی ان یدخل الجنۃ

ولکنہ کذاب وقال سعید بن المسیب کذب مخبثان وقال عطاء و
سعید بن جبیر کذب عکرمۃ وقال یحییٰ بن سعید الانصاری کان
کذابا ـــ نافع ـــ ذاك الثقۃ الامام قال سالم بن عبداللہ بن
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کذب العبد علی ابی نوف البکالی قال
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کذب عدواللہ ـــ رجال
بخاری سے احمد بن صالح ـــ قال النسائی لیس بثقۃ ولا مامون ترکہ
محمد بن یحییٰ ورماہ یحییٰ بالکذب وقال اخبرنی معٰویۃ بن صالح
قال سألت یحییٰ بن معین عن احمد بن صالح فقال کذاب یتفلسف
اسباط ابوالیسع ـــ کذبہ یحییٰ بن معین ـــ اُسید بن زید ـــ قال
ابن الجنید عن ابن معین کذاب اتیتہ ببغداد فسمعتہ یحدثہ باحادیث
کذب وقال ابن حبان یسرق الحدیث ـــ حَسَن بن مدرک ـــ
قال ابوداؤد کان کذابا یأخذ احادیث فہد بن عوف فیلقیہا
علیٰ یحییٰ بن حماد ـــ عبداللہ بن صالح ـــ کاتب اللیث قال صالح
جزرۃ کان ابن معین یوثقہ وعندی انہ یکذب فی الحدیث۔
علی بن عبداللہ ـــ ذلك الجبل الشامخ قال المروزی سمعت احمد
کذبہ ـــ نعیم بن حماد ـــ نسبہ ابوبشر الدولابی الحافظ الی الوضع
وقال الازدی فی الضعفاء کان نعیم یضع الحدیث فی تقویۃ السنۃ
وحکایات مزورۃ فی ثلث النعمٰن کلہا کذب اھ ای فی مثالب الامام
الاعظم رضی اللہ عنہ عن الامام الاعظم۔ رجال مسلم سے احمد بن عبدالرحمٰن
بن وہب ـــ قال زکریا بن یحییٰ البلخی قیل لمحمد بن ابراھیم البوشنجی
ان احمد بن عبدالرحمٰن حدث بکتاب الفتن عن ابن وہب
قال فہذا کذاب اذا جراح بن الملیح قال الادریسی فی تاریخ سمرقند
ان ابن معین کذبہ وقال کان وضاعا للحدیث وقال ابن حبان

کان یقلب الاسانید زعم یحیی انہ کان وضاعا للحدیث خلف بن
خلیفۃ قال احمد قال رجل لسفیان بن عیینۃ خلف بن خلیفۃ
یزعم انہ رأی عمرو بن حدیث فقال کذاب ـــــ محمد بن
حاتم السمین ـــــ قال یحیی وابن المدینی ھو کذاب۔

حاشا للہ، واستغفر اللہ، معاذ اللہ، کہ یہ جروح ہمیں مقبول ہوں ہرگز
نہ ان میں کوئی کذاب ہے، نہ ابن اسحٰق کذاب، نہ ان میں کوئی متہم ہے، نہ ابن اسحٰق
متہم۔ ان میں اکثر ثقہ اور بعض تو ائمہ اجلہ، اور باقی صدوق و مقبول ہیں۔ اور ابن
اسحٰق ثقہ، ثقہ، ثقہ۔ صدوق، صدوق، صدوق، مگر دیوبندی تحریر کا ظلم دکھانا ہے
کہ اسے محمد بن اسحٰق سے غرض ہے نہ ان سے کام بلکہ وہ تو امام اعظم وامام ابو یوسف
وامام محمد و صحیح بخاری و صحیح مسلم کو رد کرنے اٹھی ہے۔

اور متہم کی ایسی ہی توسیع چلی تو رجال بخاری کی کیا گنتی خود امام بخاری کب
بچتے ہیں۔ کیا نہ دیکھا کہ امام المحدثین، سید الفقہا، امام اجل ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ
تعالےٰ علیہ کے تلمیذ مسلمہ اندلسی نے کتاب الصلہ میں ان کی نسبت کیا کیا کہا۔ تو اس
دیوبندی تحریر کے طور پر امام بخاری اگر معاذ اللہ! معاذ اللہ ...... اور، اور ....
نہ ٹھہرے تو متہم بہ .... ومتہم بہ .... ومتہم بہ .... تو ضرور ٹھہریں
گے ـــــ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسلمانو! اس نے ابن اسحٰق کا تشیع نقل کرنے میں سخت فریب دہی کی چال کھیلی
ہے۔ تقریب امام ابن حجر سے یہ نقل کرلائی کہ تشیع کے ساتھ متہم ہے تاکہ عوام بیچارے
اس امام جلیل کو معاذ اللہ رافضی جانیں کہ محاورۂ جدیدہ میں روافض ہی کو شیعہ
کہتے ہیں۔ اور ائمہ جرح و تعدیل کے محاورہ میں شیعی وہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت
علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کو امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے افضل جانتا
ہو، اور شک نہیں کہ یہ اگرچہ جمہور اہلسنت کے خلاف ہے، مگر ایک جماعت اہلسنت
خصوصاً بہت ائمہ کوفہ مثل امام سفیان ثوری وامام مسلمین اعمش وغیرہما رحمہم اللہ تعالےٰ

کا مذہب ہے، ایسے تشیع کو بدعت و بدمذہبی بھی نہیں کہہ سکتے۔ مقاصد میں ہے۔

الافضلیۃ عندنا بترتیب الخلافۃ مع تردد ما فیما بین عثمان وعلی رضی اللہ عنہما ـــــ شرح مقاصد میں ہے ـــــ قال اہل السنۃ الافضل ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی وقد مال البعض منہم الی تفضیل علیّ علی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما والبعض الی التوقف فیما بینہما ـــــ اسی میں امام الحرمین سے ہے ـــــ تتعارض الظنون فی عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ـــــ

صواعق میں ہے ـــــ اطبق عظماء الملۃ وعلماء الامۃ ان افضل ہذہ الامۃ ابوبکر الصدیق ثم عمر ثم اختلفوا فالاکثرون منہم الشافعی واحمد وھو المشہور عن مالک ان الافضل بعدہما عثمان ثم علی وجزم الکوفیون منہم سفیٰن الثوری بتفضیل علیّ علی عثمان وقیل بالوقف عن التفاضل بینہما وھو روایۃ عن مالک ـــــ

تہذیب التہذیب ترجمہ امام اعمش استاذ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں ہے ـــــ کان فیہ تشیع ـــــ ہاں! اگر حضرت مولیٰ کو حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تفضیل دے، جسے ہمارے عُرف میں تفضیلیہ کہتے ہیں، اسے ائمہ جرح و تعدیل شیعی غالی اور کبھی رافضی کہتے ہیں۔ پھر اگر تبرائی ہو تو رافضی غالی ہے، خود امام ابن حجر نے ان اصطلاحات کی تصریح فرمائی ـــــ ہدی الساری ص ۴۱۵ میں فرماتے ہیں ـــــ

التشیع محبۃ علی وتقدیمہ علی الصحابۃ فمن قدمہ علی ابی بکر وعمر فھو غالی تشیعہ ویطلق علیہ رافضی والا فشیعی فان انضاف الی ذلک السبّ او التصریح بالبغض فغال فی الرفض ـــــ

زیادۃ تفصیل ہذا المقام فی التحریرات الحدیثیۃ لحضرۃ المجدد المأۃ الحاضرۃ حفظہ اللہ تعالیٰ ـــــ

بالجملۃ شک نہیں کہ ائمہ مذکورین کی اصطلاح میں رافضی و شیعی میں زمین و

آسمان کا فرق ہے۔ لہذا جب ابو اسماعیل انصاری نے حاکم کو کہا ——— امام فی الحدیث رافضی خبیث ——— اس پر ذہبی نے کہا ——— اللہ یحب الانصاف ما الرجل برافضی بل شیعی فقط ——— اللہ انصاف کو بہت دوست رکھتا ہے وہ رافضی نہیں فقط شیعی ہے ——— تو اس زمانے میں ابن اسحق کو بلفظ شیعی تعبیر کرنا اور اصطلاح ائمہ نہ بتانا، ضرور مسلمانوں کو دھوکا دینا اور عوام کو گمراہ کرنا اور تمام حنفیہ اور عامۂ محدثین کے مسلّم امام کو ناحق ناروا رافضی ٹھہرانا ہے'

آخر نہ دیکھا کہ ذات شریف ہی کی تحریر دیکھ کر جاہل بوکھلا اٹھے کہ امام ابن اسحٰق معاذاللہ رافضی ہیں، رافضی ہیں۔ اور اس میں خفی چال اور ہے وہ یہ کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کو عوام کی نگاہ سے گرانا کہ ان کے رجال میں بکثرت وہ ہیں، جنکو شیعی کہا گیا۔ ہدی الساری میں صرف صحیح بخاری کے اصول مسانید میں بیس شیعی نام بنام اور تعلیقات بخاری میں اور زائد ہیں۔ اور رُواۃ صحیح مسلم چھانٹے جائیں تو غالباً عدد سو سے کم نہ رہے گا۔ تو مطلب یہ ہے کہ دیکھو سنّیو! تمہاری صحیحین میں رافضی بھرے ہیں۔

طُرفہ تر یہ کہ راویانِ صحیح بخاری وصحیح مسلم وائمہ کوفہ مثل امام الاولیاء امام المحدثین امام الفقہا، سیدنا سفیان ثوری، وامام المحدثین استاذ سیدنا امام اعظم امام اعمش وغیرہما رضی اللہ تعالےٰ عنہم تو اس دیوبندی کے طور پر معاذ اللہ رافضی ٹھہرے ہی تھے مگر عیاذاً باللہ یہ ناپاک حرف ایک روایت کی بناء پر خود حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ تک پہونچتا ہے کہ اس باب میں ان سے بھی ایک روایت موافقِ ائمہ کوفہ آئی ہے، اگرچہ روایتِ ظاہرہ مشہورہ یہی ہے کہ عثمان افضل ہیں، پھر علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما جیسا کہ خود امام نے فقہ اکبر میں نص فرمایا۔ علی قاری، منح الروض الازہر میں ہے،

روی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفضیل علیّ علیٰ عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہما والصحیح ما علیہ جمہور اہل السنۃ وھو ظاہر من قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی ما رأیتہ۔ ھذا وفق مراتب الخلافۃ اھ ـــــ وعلق علیہ مجدد المأۃ الحاضرۃ۔ فقال یا سبحٰن بل قولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نص صریح فیہ اذ یقول افضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابوبکر الصدیق ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم فای نص ترید انص منہ اھ ـــ

تو اس دیوبندی تحریر کا مآل یہ ہے کہ سنّیو! تمہارے امام اعظم ہی کے سنّی و رافضی ہونے میں روایات مختلف ہیں، اگرچہ مشہور سنیت ہے۔ بھائیو! اس دیوبندیہ تحریر کی نہانی چوٹیں دیکھتے جاؤ، یہ فقط محمد بن اسحٰق پر نہیں بکھری ہے تمہارے فقہ وحدیث سب پر بے طرح بکھری ہے۔ اللہ ہی تمہارا حافظ ہو، ـــ

اس کو معلوم تھا کہ ابن اسحٰق کی تضعیف نہ بَن پڑے گی، لہذا اپنے فکر کا گلِ سرسبد ابن اسحٰق کا عنعنہ رکھا کہ وہ مُدَلّس ہیں۔ اور اس حدیث کو زہری سے سننے کی تصریح نہ کی، بلکہ عن الزھری کہا لہذا مردود ہے۔ یہ واحد قہار کی شان ہے کہ دغا باز بے ایمانوں کے منہ سے وہ بات نکلوا دیتا ہے جس سے ان کے گھر کا گھروندا ان کے سوت کی کپاس ان کی آنتوں کا ڈھیر ہوکر رہ جاتا ہے ـــــ لا یحیق المکر السیئ الا باھلہ ـــــ بُرا مکر اس مکر والے ہی کو گھیرتا ہے ـــــ یخربون بیوتھم بایدیھم وایدی المومنین فاعتبروا یا اولی الابصار۔ وہ اپنے گھر ویران کرتے ہیں، خود اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں، تو عبرت پکڑو اے آنکھوں والو ـــــ بیچاری آفت کی ماری بدنصیب دیوبندی تحریر ابنِ اسحٰق کی تدلیس نقل کرنے بیٹھی تو امام ابن حجر کی طبقاتُ المدلّسین سے جس نے اسکے ساری کرتوت جہنم پہونچا دیئے۔

مسلمانو! طبقات المدلسین میں امام ابن حجر شافعی نے مدلسین کے پانچ طبقے کئے ہیں۔ اوّل چار وہ ہیں، جن میں صرف تدلیس ہی ہے اور کوئی وجہ ضعف نہیں۔ ان میں امام بخاری امام مسلم اور ان سے بھی اعلیٰ درجہ کے ائمہ داخل ہیں۔ پانچواں طبقہ وہ رکھا، جن میں تدلیس کے سوا اور کوئی ضعف بھی ہے۔ طبقات کی عبارت یہ ہے ــــ الخامسۃ من ضعف بامر اٰخر سوی التدلیس ــــ

امام ابن حجر نے ابن اسحٰق کو چوتھے درجے میں رکھا کہ بر بنائے اصول شافعیہ جنکی حدیث بے تصریح سماع حجت نہیں، اور ہم حنفیہ و مالکیہ وحنبلیہ کے نزدیک مطلقاً حجت ومقبول ہے۔ اس خوشی میں کہ حنفیت جائے تو جائے اذانِ جمعہ کی حدیث سے تو جان بچے گی، آنکھیں بند کر کے جھٹ نقل کر ڈالی۔ اور نہ سوجھی کہ ساری مکاری کا سویرا ہو گیا۔ ابن حجر نے ابن اسحٰق کو پانچویں طبقے سے عالی چہارم طبقے میں رکھا تو کتنی روشن وجہ سے ثابت ہو گیا کہ ابن اسحٰق میں سوائے تدلیس اصلاً ضعف کی کوئی وجہ نہیں۔ کہاں گئے وہ تیرے کذاب ومتہم بالکذب ورافضی ومتہم بالرفض کے دعوے، دیکھ حجت الٰہیہ یوں قائم ہوتی ہے ــــ والحمد للہ رب العٰلمین ــــ الزامِ تدلیس کی بحث رہی اس کی سنئے۔

اقول: اوّلاً، اصل حدیثِ مسند (امام احمد) میں انہیں ابن اسحٰق سے بسندِ صحیح بتصریح سماع موجود ہے ــــ حدثنا یعقوب ثنا ابی عن ابن اسحٰق قال حدثنی محمد بن مسلم بن عبید اللہ الزھری عن السائب بن یزید بن اخت نمیر ــــ تو احتمالِ تدلیس جہل وتلبیس۔

ثانیاً: محمد بن اسحٰق امام زہری سے کثیر المصاحبۃ، کثیر السماع، کثیر الروایۃ ہیں، امام زہری نے اپنے دربان کو حکم دیا تھا کہ ابن اسحٰق جس وقت آئیں انہیں نہ روکنا۔ کما فی التہذیب ــــ امام ابن المدینی نے چھ امام گنے جن پر حدیثِ رسول اللہ

صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا مدار ہے۔ ان میں ایک امام زہری، پھر ان چھ کا علم بارہ میں آنا بتایا۔ ان میں ایک محمد بن اسحٰق، اور امام ذہبی فرماتے ہیں ایسے شیخ سے روایت سماع پر محمول ہے۔ اگرچہ بلفظ عَنْ ہو۔ میزان الاعتدال میں ہے۔

متی قال ناقلا کلام ومتی قال عن تطرق الیہ احتمال التدلیس الا فی شیوخ لہ اکثر عنہم فان روایتہ عن ھذا الصنف محمولۃ علی الاتصال خصوصًا ابن اسحٰق ساصدوق کہ جن اساتذہ سے بکثرت حدیثیں سنیں، اگر کوئی حدیث ان سے بالواسطہ سُنی تو صاف بتا دیا۔ دو دو واسطے بیان کر دیئے، یعنی اپنے استاذ کے شاگرد کے شاگرد کی شاگردی ظاہر کر دی۔ جیسا کہ نمبر ۳۹ میں امام ابن المدینی سے گذرا۔ اور ہم گذارشِ اول میں کتاب الخراج امام ابو یوسف سے بیان کر آئے کہ زہری سے بھی جو بالواسطہ سنا، واسطہ بتا دیا ——

حدثنی محمد بن اسحٰق عن عبد السلام عن الزھری ——

ثالثًا: آخر کچھ تو تھا کہ امام ابو داؤد نے اذانِ جمعہ کی حدیث ان سے روایت کر کے اس پر کچھ اعتراض نہ فرمایا کیا وہ نہ جانتے تھے کہ ابن اسحٰق میں بعض نے کلام کیا ہے کیا وہ نہ جانتے تھے کہ ابن اسحٰق چوتھے طبقہ کا مدلّس ہے، وہ نہ جانتے تھے کہ اس حدیث میں حَدَّثَنا نہ کہا عَنْ کہا ہے۔ بااینہمہ اسے قبول ہی فرمایا۔ اور اپنی کتاب صحاح میں جگہ دی کہ خاص اثبات احکام شرعیہ کے لئے لکھی، اور جسے ائمہ نے فرمایا جس گھر میں یہ کتاب ہو گویا وہاں کوئی نبی باتیں فرما رہا ہے۔ اب گیارہ سو برس بعد دیوبند کی ناشستہ رُد اس حدیث کو رَد کریں خدا کی شان ہی شان نظر آتی ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

خود امام ابو داؤد اور بعد کے ائمہ کرام نے حدیث پر سکوت امام ابو داؤد کے معنی یہ بتائے کہ حدیث صحیح یا حَسَن ہے اور ہمارے ائمہ نے تصریح کی کہ وہ حدیث حجت ہے۔ مقدمہ امام ابو عمرو میں ہے — امام ابو داؤد نے فرمایا —

ذکرت فیہ الصحیح ومایشبہہ ویقاربہ۔ مقدمہ ص ۶
امام ابن کثیر سے فتح المغیث ص ۲۹، تدریب ص ۵۵، —

روی عنہ ای عن ابی داؤد ماسکت عنہ فهو حسن ۔

امام ابو عمر بن عبد البر سے فتح المغیث ص ۲۹ ،۔

کل ما سکت علیہ فهو صحیح عندہ ۔

امام حافظ الحدیث عبد العظیم منذری خطبہ کتاب الترغیب والترہیب

کل حدیث عزوتہ الی ابی داؤد وسکت عنہ فهو کما ذکر ابو داؤد لا یزال عن درجۃ الحسن وقد یکون علی شرط الصحیحین ۔

امام ابن الصلاح مقدمہ اصول حدیث ص ۱۶ ،۔

وما وجدناہ فی کتابہ مذکورا مطلقا عرفنا انہ حسن عند ابی داؤد ،

امام نووی تقریب نوع ثانی فرع اول ،۔

ما وجدنا فی کتابہ مطلقا فهو حسن عند ابی داؤد ۔

امام زیلعی نصب الرایہ جلد اول ، ص ۶۰ ،۔

ان ابا داؤد روی حدیث القلتین وسکت عنہ فهو صحیح عندہ علی عادتہ فی ذلک ۔

امام ابن الترکمانی جوہر النقی ، جلد اول ، ص ۱۸۲ ،۔

اخرجہ ابو داؤد وسکت عنہ فاقل احوالہ ان یکون حسنا عندہ علی ما عرف

امام ابن الہمام فتح القدیر جلد اول ص ۵ ،۔

سکت علیہ ابو داؤد فهو حجۃ ۔

امام زین الدین عراقی استاذ امام حافظ الشان عسقلانی ، پھر امام شمس الدین سخاوی مقاصد حسنہ ص ۸۶ ،۔

یکفینا سکوت ابی داؤد علیہ فهو حسن ۔

امام ابن امیر الحاج ، حلیہ شرح منیہ قبیل صفۃ الصلوٰۃ ،۔

رواہ ابو داؤد وسکت علیہ فیکون حجۃ علی ما هو مقتضی شرطہ

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ ، ص ۳۸۶ ،۔

سکت علیہ ابو داؤد والمنذری بعدہ فی مختصرہ وھو تصحیح منہما

بلکہ امام ابن المدینی سے ان کے شاگرد جلیل امام بخاری نے توثیق ابن اسحٰق ثابت فرمانے کے لئے استناداً نقل کیا۔ اور مقرر رکھا کہ دو کے سوا ابن اسحٰق کی سب حدیثیں معروف و محفوظ ہیں، اور وہ دو بھی ممکن کہ صحیح ہوں۔ جیسا کہ نمبر ۳۴ میں گذرا، اور یہ حدیث اذان جمعہ ان دو میں نہیں، جیسا کہ نمبر ۳۴ میں گذرا۔ تو یہ بحمدہٖ تعالٰی صحیح و محفوظ ہے۔

بالجملہ، اتنے اجلہ کرام کے ارشاد سے ثابت ہے کہ حدیث اذانِ جمعہ حسن صحیح حجت ہے، مگر دیوبندی جہالت کو اس میں حجت ہے ــــ انا للہ و انا الیہ راجعون ــــ آدمیان گم شدند۔

رابعًا: یہ سب تو محدثوں کے طور پر کلام تھا، دیوبندی کی چال تو آپ جانی ہی نہیں ــــ مسلمانو! وہ یہاں ائمہ حنفیہ کے اصول حدیث کا ابطال کر رہی ہے حدیث مرسل، مثلاً تابعی کہے ــــ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ــــ ہم حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ و جمہور کے نزدیک صحیح و مقبول ہے شافعیہ اور کچھ محدثین ان میں کلام کرتے ہیں، یہ مسئلہ اہل علم میں آفتاب کی طرح مشہور و معروف ہے۔ یہ دیوبندی بھی اس سے واقف ہے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں۔

اجمع التابعون باسرھم علی قبول المرسل ولم یأت عنہم انکارہ ولا عن احد من الائمۃ بعدھم الی رأس المائتین۔	تمام صحابۂ کرام کے دیکھنے والے ائمہ کا اجماع ہے کہ حدیثِ مرسل مقبول ہے اس کا انکار نہ کسی تابعی سے منقول ہوا، نہ تبع تابعین سے دوصدی کامل تک۔

یعنی امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے انکار کی پہل کی، پھر یہ محدث کہ اکثر ان کے مقلد ہیں ان کے پیرو ہوئے۔ مسلم الثبوت و فواتح الرحموت ص ۴۵۹،

مرسل الصحابی یقبل مطلقا اتفاقا وان من غیرہ فالاکثر

ومنهم الائمۃ الثلٰثۃ ابوحنیفۃ مالك و احمد رضی اللہ تعالٰی عنهم یقبل مطلقا والظاهر بیترہ جمهور المحدثین الحادثین بعد المائتین لا یقبل ــــــ یعنی صحابۂ کرام کا اِرسال مطلقًا بالاتفاق مقبول ہے۔ اور غیر صحابی کی حدیثِ مرسل کو امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد وغیرہم اکثر ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم مطلقًا قبول فرماتے ہیں۔ اور غیر مقلد اور دو دو سو برس بعد کے اکثر محدث قبول نہیں کرتے۔

پھر مدلّس جو اپنے شیخ سے حدیث بلفظ عن فلاں یا قال فلاں روایت کرے، جس میں اس سے بلا واسطہ اپنے سننے کی تصریح نہ ہو وہ تو مرسل بھی نہیں، صرف شبہہ ہے کہ شاید بالواسطہ سُنی اور واسطہ کو چھوڑ دیا ہو۔ جب ہمارے ائمہ کرام اور دو سو برس تک کے ائمہ تابعین وتبع تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین خود مرسل کو قبول فرما رہے ہیں تو محض شبہہ کی بناء پر رَد کیا معنی، لاجرم مدلّس کا عنعنہ ہمارے ائمہ اور ان جمہور ائمہ سب کے نزدیک بلا دغدغہ مقبول ہے۔ امام جلال الدین سیوطی تدریب الراوی ص ۷۹، بیانِ عنعنہ مدلّس میں فرماتے ہیں۔

قال جمهور من یقبل المراسیل یقبل مطلقًا

علامہ خُسرو حنفی نے فصول البدائع فی اصول الشرائع جلد ۲ ص ۲۵۰ میں فرمایا۔

طعن المحدثین بما لا یصلح جرحًا لا یقبل کالطعن بالتدلیس فی العنعنۃ فانها توهم شبهۃ الارسال وحقیقتها لیست بجرح ــــــ

امام الحفاظ سید المحدثین سند الفقہاء رافع لوائے مذہب حنفی سیدنا امام احمد ابوجعفر طحاوی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب مستطاب شرح معانی الآثار جلد ۲ ص ۱۹۰ میں ایک طویل حدیث انہیں محمد بن اسحٰق کی انہیں زہری سے یونہیں بے تصریح سماع روایت کی جس کی سند یہ ہے ــــــ حدثنا فهد بن سلیمٰن بن

یحیی ثنا یوسف بن بہلول ثنا عبد اللہ بن ادریس ثنی محمد بن اسحٰق قال قال الزہری حدثنی عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبة عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ـــــــ اور اس کے آخر میں فرمایا هذا حدیث متصل الاسناد صحیح ۔ یہ حدیث صحیح ہے اسکی اسناد متصل ہے

قَالَ اور عَنْ دونوں یکساں ہیں کہ دونوں میں اپنا سننا بیان نہ کیا امام نووی تقریب میں فرماتے ہیں ـــ

تدلیس الاسناد ان یروی عمن عاصرہ مالم یسمعہ منہ موھما سماعہ قائلا قال فلان اوعن فلان ونحوہ ۔ (تدریب ص ۷۷) ـــ

دیکھو وہی ابن اسحٰق ہیں، وہی امام زہری ہیں، وہی بے بیانِ سماع روایت ہے ۔ اور فقہاء کے امام محدثوں کے امام حنفیہ کے خاص امام سیدنا امام طحاوی فرمارہے ہیں، یہ حدیث صحیح ہے اور یہ سند متصل، ـــ

الحمد للہ، حجۃ اللہ تمام ہوئی ۔ اور اس دیوبندی کی عیاری کھل گئی کہ کیسے مذہبِ حنفی کو رَد کر کے الٹی راہ چلی ـــ

حنفی بھائیو! اپنے اماموں کی تو یہ تصریحات دیکھو، اور اس کی وہ دہن دریدگی کہ ـــــــ "اگر محمد بن اسحٰق میں کوئی اور عیب نہ ہو تو اس کا یہی ایک عیب اس کی روایت کو مردود اور ناقابل اعتبار بنانے کے لئے کافی ہے، کیونکہ وہ اس روایت کا زہری سے سُننا نہیں بیان کرتا بلکہ بلفظِ عَنْ روایت کرتا ہے "۔

حنفیو! دیکھو یہ سر بازار کیسی دن دھاڑے اندھیری ڈال کر تمہیں مذہب سے پھیرا چاہتی ہے ۔ بھائیو! ہوشیار رہنا، گمراہ گر کے دھوکے میں نہ آنا ـــــــ اللہ تمہارا حافظ ہو ـــ

بھائیو! اس نے حنفیہ کے اصول حدیث ہی کو رَد نہ کیا، بلکہ تمہارے ائمہ کرام امام اعظم امام ابو یوسف امام محمد رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی سب کتابوں کو رد کردیا ان کی صدہا حدیثوں کو خاک میں ملا دیا اپنے ائمہ کرام کی کتابیں امام اعظم کی

مسندیں، امام ابو یوسف کی کتاب الخراج، امام محمد کی کتاب الآثار کتاب الحج وغیرہا مطالعہ کیجئے ان میں کسقدر کثرت سے مرسل حدیثیں اور مدلسین کے عنعنے ملیں گے اس نے سب کو مردود ناقابل اعتبار بنا دیا، بلکہ اس کی یہ چوٹ صدر اول کے عامۂ ائمہ پر ہے۔ صدر اول میں مرسل کی بہت کثرت تھی۔ اور اس کی پرواہ نہ کیجاتی۔ اتصال کی چھان بھنک بعد کو پیدا ہوئی ہے۔ صحیح مسلم وجامع ترمذی میں امام محمد سیرین تابعی تلمیذ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالے عنہ سے ہے۔

قال لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنۃ قالوا سموالنا رجالکم۔	پہلے زمانہ میں اسناد نہیں پوچھتے تھے جب بدمذہبیاں پھیلیں اس وقت سے سند کی تفتیش ہوئی۔

افضل التابعین سعید بن مسیب وقاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق وسالم بن عبداللہ بن عمر فاروق وامام حسن بصری وابوالعالیہ ریاحی وامام ابراہیم نخعی وعطا ابن ابی رباح ومجاہد وسعید بن جبیر وطاؤس وعامر شعبی وسلیمن اعمش وزہری وقتادہ ومکحول وابواسحٰق سبیعی وابراہیم تیمی ویحیی بن ابی کثیر واسمٰعیل بن ابی خالد وعمرو بن دینار ومؤرق بن قرہ وزید بن اسلم یہ سب اجلۂ ائمہ تابعین کہ ان میں بہت ہمارے امام اعظم کے استاذ واستاذ الاستاذ ہیں، اور ان کے بعد کے اجلۂ ائمہ مثل امام مالک وامام محمد وسفیان ثوری وسفیان بن عیینہ وغیرہم اکابر امت اعاظم ملت جن کے ارشادات پر دین متین کا دار ومدار ہے۔ یہ سب اکابر حدیثوں میں ارسال فرمایا کرتے، اور ان میں اکثر تو بہت کثیر الارسال، ارسال میں نامی ہیں اگر جانتے حدیث مرسل مردود ہے تو کیا معاذ اللہ حدیثوں کو مردود بنانے کے لئے ایسی حرکت کرتے، اس مدعی حنفیہ کی ان سب پر چوٹ ہے۔

بھائیو! کیا اس گمان میں ہو کہ وہ تحریر فقط حنفی مذہب یا کتب صحاح ہی پر اپنی

چوٹ دکھا کر رہ جائے گی، نہیں نہیں، اس نے مذاہب اربعہ کے جملہ علمائے کرام، مفسرین قرآن و شارحین حدیث حتی کہ تابعین اعلام و صحابہ کرام اور نہ صرف صحابۂ کرام بلکہ خود حضور اقدس سید الانام اور نہ فقط حضور اقدس سید الانام بلکہ خود رب العزۃ ذوالجلال والاکرام کسی کو اپنے ناپاک جملوں سے نہ چھوڑا ——— عزّ جلالہ وصلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ۔ــ

زہری سے اس حدیث کے اور راویوں نے نہ علی باب المسجد کا لفظ روایت کیا، نہ بین یدیہ کا فقط اتنا بتایا ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے اس وقت اذان دی جاتی، نہ جگہ بتائی دروازہ پر، نہ سمت بتائی کہ حضور کے مقابل۔ اب یہ عیارہ ـــ بین یدیہ ـ کا لفظ سوائے ابن اسحٰق کے کسی روایت میں نہ آنے کو تو الگ کترا گئی کہ اپنے بھی خلاف تھا اور علی الباب کا لفظ پکڑ لیا کہ اسے ابن اسحٰق نے روایت کیا، اوروں کی روایت میں اس کا بیان نہیں، اس بنا پر کہتی ہے ـ

"کہ اسکی روایت، دیگر ثقات کی روایت کے بھی خلاف ہے"ـــ

اقول: اوّلاً اگر اور راویوں کا بیان نہ کرنا معنی خلاف دیتا ہے تو اور راویوں نے یہ بھی بیان نہ کیا کہ یہ اذان حضور کے مقابل ہوتی تو وہ سب بین یدیہ کے مخالف ہوئے، اور ابن اسحٰق اس عیارہ کے نزدیک متہم بالکذب ہے اور ان سب راویوں کو ثقہ کہتی ہے۔ تو یہاں سے مالکیہ کا مذہب ثابت ہوا کہ وہ کہتے ہیں، خطیب کے سامنے اس اذان کا ہونا بدعت وخلاف سنت ہے۔ بلکہ اور اذانوں کی طرح منارہ پر ہو ـــ

تو اس کی یہ چوٹ بھی حنفیہ پر ہوئی، کہ انہوں نے کثیر ثقہ راویوں کے خلاف متہم بالکذب کی روایت مانی ـــ

ثانیاً: علماء ہزار ہزار تصریح فرماتے ہیں کہ ایک بات زائد بیان کرنا مخالفت نہیں، مخالفت یہ ہے کہ اور راویوں نے جو کہا تھا یہ اس کے خلاف بیان کرے، نہ یہ کہ اور جس امر سے ساکت یہ اسکا افادہ کرے۔ جوہرالنقی جلد ۱ ص ۱۱۱ "۔

ترك بعض الرواة لا يعارض زيادة غيره - ايضاً ص - ذكر من ذكر مقدم على ترك من ترك ــــ

صحیحین وغیرہا جملہ کتب حدیث میں صدہا ہزارہا حدیثیں وہ ملیں گی جن میں بعض رواۃ نے کوئی بات زائد کی ہے کہ اوروں نے بیان نہ کی تو وہ سب شاذ و منکر ہو کر صحت سے ساقط ہو جائیں گی۔ صحیحین پر اس کی ایک چوٹ یہ بھی ہوئی ۔

ثالثاً: بلکہ بکثرت ملے گا کہ ائمہ محدثین متعدد راویوں سے ایک حدیث یوں روایت کرتے ہیں کہ ــــ حدثنا فلان وفلان يزيد بعضهم على بعض ــــ یعنی یہ حدیث ہم سے اتنے شیوخ نے بیان کی اور ان میں ایک نے دوسرے سے زیادہ بات کہی۔ اس نے وہ کہی جو اس نے نہ کہی تھی ــــ اس نے وہ بڑھائی جو اس نے نہ بتائی تھی۔ امام محدث سب کی زیادتیں جمع کر کے ایک سیاق میں روایت کرتا ہے تو دیوبندی جہالت پر مخالفوں کو جمع کر لیتا ہے ۔

رابعاً: علماء کا کلام دیکھنا سمجھنا دیوبندیت کو کہاں نصیب، مگر جہاں بھر کے ہر ذی عقل سے پوچھ دیکھئے، چھ آدمی کہیں زید عمامہ باندھے ہوئے تھا اور ایک کہے زید سپید عمامہ باندھے ہوئے تھا۔ تو کیا کوئی عاقل اس بیان کو ان بیانوں کا مخالف سمجھ سکتا ہے، ہاں دیوبندی مت کی بات جدا ہے ۔

خامساً، علمائے مذاہب اربعہ وجملہ مجتہدین اعلام وصحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں کون سا مفسر قرآن وشارح حدیث ہے، جس نے بیان وقائع مذکورۂ قرآن وحدیث میں کوئی لفظ زائد نہ بیان کئے ہوں، بلا مبالغہ جس کی ہزارہا مثالیں

کلماتِ ائمہ وتفاسیرہ ماثورہ میں ملیں گی، اس کے نزدیک معاذاللہ وہ سب کے سب اللہ ورسول کے مخالف ہے کہ وہ لفظ ذکر کیا جو انہوں نے ذکر نہ فرمایا تھا ــــــ جَلَّ وَعلاَ وصلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ــــــ

سادسًا: صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ــ

الا احدثکم حدیثا عن	کیا میں تمہیں دجال کا وہ حال نہ بتاؤں جو
الدجال ما حدث بہ نبی قومہ	کسی نبی نے اپنی قوم کو نہ بتایا، وہ کانا ہے
انہ اعور وانہ یجیئ معہ بمثل	اور جنت ودوزخ کی مثال لائے گا تو جسے
الجنۃ والنار فالتی یقول انھا	جنت کہے گا وہ آگ ہے۔ اور تمہیں ایسا
الجنۃ ھی النار وانی انذرکم کما	ڈراتا ہوں جیسا نوح نے اپنی قوم کو اس
انذر بہ نوح قومہ ــ	سے ڈرایا تھا ــ

اس کے نزدیک رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے بیان واقع میں معاذاللہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت فرمائی کہ وہ بات بیان کی جو ذکر واقعۂ دجال میں کسی نبی نے بیان نہ کی تھی ــ

سابعًا: خود قرآن عظیم دیکھئے، ایک ہی قصہ میں ایک سورت ایک بیان زائد فرماتی ہے کہ دوسری سورت نے نہ فرمایا ــ تو دیوبندی کے طور پر معاذ اللہ قرآن مجید کی سورتوں کا باہم اختلاف ہوا ــ لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِیِّ العَظِیم۔

الحمدللہ! آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں ــ اور دروازۂ مسجد پر اذانِ جمعہ کی حدیث صحیح ہے ــــــ دیوبندی تحریر کی بڑی اصلیں یہی تھیں کہ ایسا شخص کم ازکم متہم ہے ــ اور مدلس کا عنعنہ مردود، اور راوی کا تفرد مطلقًا مخالفت، ــــــ روشن ہوگیا کہ اس کی ہر اصل میں خطا ہے ــ

کاتب: ظفرالاسلام ادروی ــ دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ

رسالہ مکمل ہونے کے بعد بھیونڈی ضلع تھانہ سے ایک استفتا آیا۔ جس میں ایک دیوبندی صاحب کا یہ اعتراض مذکور ہے کہ اگر اذانِ خطبہ مسجد کے باہر دی جائے گی، تو مؤذن کو اقامت کہنے کے لئے گردن پھلانگ کر پہلی صف میں آنا پڑے گا۔ اور گردنیں پھلانگنا حرام و گناہ، جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے ——— اس پر گذارش ہے کہ گردنیں پھلانگنا اس وقت منع ہے جبکہ بلا ضرورت ہو، اور ضرورت کے وقت بلاشبہہ جائز ——— مثلاً ایک شخص پہلی صف میں بیٹھا ہوا ہے، اسکا وضو ٹوٹ گیا وہ گردنیں پھلانگ کر باہر آکر وضو کرے گا، اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں، اور نہ کوئی گناہ ہے ——— ایک شخص مسجد میں آیا باہر جگہ پر ہے، جیسا کہ جاڑوں میں اکثر ہوتا ہے۔ اندر کی صفوں میں جگہ خالی ہے، یہ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر اندر جائے گا کوئی گناہ نہیں ——— عالمگیری میں ہے۔

للمسلم ان يتقدم ويدنوا من المحراب اذا لم يكن الامام فی الخطبۃ ليتسع المكان علٰی من يجیٔ بعدہ وينال فضل القرب من الامام فاذا لم يفعل الاوّل فقد ضيّع ذالك المكان من غير عذر فكان للذی جاء بعدہ ان يأخذ ذالك المكان۔	جب تک امام خطبہ نہ شروع کرے مسلمان کو چاہئے کہ آگے اور محراب کے قریب رہے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لئے گنجائش رہے اور وہ امام سے قریب رہنے کی فضیلت بھی پائے۔ جب پہلے آنے والے نے اس جگہ کو حاصل نہیں کیا ضائع کر دیا تو بعد میں آنے والا اس جگہ کو لے لے ———

(عالمگیری اول، ص ۷۰)

فرض کیجئے امام دیر میں آیا، پوری مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ اب امام کیا کرے، ظاہر ہے کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر وہ منبر اور محراب تک جائے گا، کون اسے حرام

وگناہ کہہ سکتا ہے ۔ اسی طرح اذان کے بعد اقامت کہنے کیلئے مؤذن بھی جائے گا ۔ اس میں کوئی حرج نہیں ۔ فقہا ء نے اسی وجہ سے جہاں ضرورت ہو تخطی کی اجازت دی ہے ——— در مختار میں ہے ۔

فیتخطی الیہا للضرورۃ۔ اول ص ۵۵۲ ۔ گردن پھلانگ کر جائے ، بوجہ ضرورت کے ،

اسی طرح ایک اور محقق نے بڑی عرق ریزی سے یہ نکتہ آفرینی کی ہے کہ منذنہ مسجد کا جز ہے اور فقہا ء منذنہ پر اذان دینے کو جائز کہتے ہیں ۔ تو معلوم ہوا کہ مسجد میں اذان دینا حرام وگناہ نہیں ، زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے ۔

اس پر گذارش ہے ——— **اولاً** : فقہا ء نے مطلقاً فرمایا ہے ۔ بکرہ ان یوذن فی المسجد ۔ لکراھۃ الاذان فی داخلہ ——— مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے ۔ اور فقہا ء نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جہاں کراہت مطلق ہو اس سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے ——— ردالمحتار جلد خامس ص ۲۱۴ پر ہے

قولہ کراھۃ تحریم وھی المراد عند الاطلاق ۔ اطلاق کے وقت کراہت تحریم ہی مراد ہوتی ہے ۔

اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ ہے ——— در مختار جلد خامس علی ہامش ردالمحتار ص ۲۱۴ ہی پر ہے ۔

ویأثم بارتکابہ کما یأثم بترک الواجب ۔ مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے گنہگار ہوتا ہے جیسے واجب کے چھوڑنے سے ہوتا ہے ۔

ثانیاً ، جب یہ حدیث سے ثابت کہ عہد رسالت وخلفائے راشدین میں اذان خطبہ ہمیشہ مسجد کے باہر ہوئی ۔ کہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں یہ مذکور نہیں کہ کبھی ایک بار بھی یہ اذان اس عہد میں مسجد کے اندر ہوئی ہو ، اگر یہ اذان مسجد کے اندر جائز ہوتی تو کبھی نہ کبھی بیان جواز ہی کے لئے ایک دو بار مسجد کے اندر ہوئی ہوتی ۔ تو اس اذان کو مسجد کے اندر دلوانا اس سنت کے معارض ہونے کی وجہ سے بدعت سئیہ ہے ——— مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد رابع ص ۲۶۰ پر ہے ۔

قال الشافعی رحمہ اللہ ما احدث ما یخالف الکتاب والسنۃ والاثر والاجماع فھو بدعۃ ضلالۃ ۔ وما احدث مما لا یخالف شیئا من ذلک فلیس بمذموم ۔	امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا قرآن سنت اثر اور اجماع کے خلاف جو چیز ایجاد کی جائے وہ بدعت ضلالت ہے ۔ اور ایسی چیز ایجاد کرنا جو ان میں سے کسی کے مخالف نہ ہو، مذموم نہیں ۔

÷ ÷ ÷

اور ہر بدعتِ سیئہ وضلالت کا ارتکاب گناہ ـــــ درِّمختار میں وہیں ہے ـــــ ومثلہ البدعۃ ـــــ اور مکروہ تحریمی کے مثل بدعت بھی ہے ۔

ثالثًا، جب فقہا نے فرمادیا کہ مئذنہ پر اذان دے یا مسجد کے باہر، تو اذان کے بارے میں وہ خارج مسجد کے حکم میں ہوگیا ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مسجد میں وضو ناجائز وگناہ ہے ـــــ لیکن اگر تمام مسجدیت سے قبل کوئی جگہ وضو کے لئے متعین کر دی گئی، پھر بعد میں وہ جگہ مسجد کے اندر کر لی گئی تو وہاں وضو جائز ہے ـــــ وضو کے حق میں وہ جگہ خارجِ مسجد کے حکم میں ہو گی ـــــ عالمگیری جلد اول ص ۱۰۹ پر ہے ۔

یکرہ المضمضۃ والوضوء فی المسجد الا ان یکون موضع اعد لذلک ۔	مسجد میں کلی اور وضو کرنا مکروہ ہے، مگر یہ کہ کوئی جگہ اس کے کیلئے پہلے سے بنا دی گئی ہو

اسی طرح قبل تمام مسجدیت اذان کے لئے کوئی جگہ مقرر ہو، اور بعد میں وہ مسجد کے اندر آجائے تو وہاں اذان بلاکراہت درست ہے ـــــ اس لئے مئذنہ میں اذان بلاکراہت درست، اذان کے حق میں مئذنہ خارج مسجد ہے ـــــ

ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ افضل خلقہ وسیدرسلہ

وعلیٰ الہٖ وصحبہ وبارک وسلم

تقریظ

حضرت فقیہ عصر، عمدۃ المحققین، نائب مفتی اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم العالیہ، صدر دار الافتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدك یامن اوجبت علینا السعی الیٰ ذکرك اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ ونصلی ونسلم علی من ذکرہ مع ذکرك فی الاذان والاقامۃ والخطبۃ وعلیٰ آلہ وصحبہ الذین فیہم لمن بعدہم اسوۃ وقدوۃ

خطبے کی اذان کہاں ہونی چاہئے؟ یہ نہ بہت دقیق مسئلہ ہے نہ بہت معرکۃ الآراء جو بھی بیجا عصبیت اور جذبات سے خالی ہو کر کتب فقہ کا مطالعہ کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ اذان مسجد کے باہر خطیب کے سامنے ہونی چاہئے یہی سنت ہے، دوسری اذانوں کی طرح یہ اذان بھی مسجد کے اندر دینی ممنوع مکروہ خلاف سنت ہے، مگر بعض ناقابل ذکر وجوہ کی بنا پر یہ مسئلہ چودھویں صدی کے تیسرے اور چوتھے عشرہ میں شدید مختلف فیہ رہا۔ اس وقت امام احمد رضا قدس سرہٗ اور انکے صاحبزادگان حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خانصاحب اور حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خانصاحب و دیگر علماء اہلسنت نے اس مسئلہ کو اتنا مبرہن کر دیا تھا کہ کسی مخالف کو نہ مجال دم زدن تھی اور نہ کسی موافق کو زیادتی کی گنجائش، جسکے نتیجے میں برسہا برس سکوت رہا، ادھر اب کچھ دنوں سے ارباب پھلواری نے اسکو از سر نو زندہ کیا ہے، جسکے نتیجے میں یہ رسالہ معرض وجود میں آیا ہے۔ اس رسالے میں طرفین کے دلائل اور پھر ان سے متعلق مَالَہٗ وَمَاعَلَیْہِ مذکور رہے۔ اس سلسلے میں مجھے کچھ کہنا نہیں رسالہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، پڑھئے اور فیصلہ کیجئے ——— رسالے کے مصنّف اشرفیہ کے نو فارغین میں ایک ممتاز شخصیت کے مالک ہیں، ذہین و فطین بھی ہیں، اور طبیعت بھی اخّاذ ہے، میں نے رسالے کو از اوّل تا آخر مطالعہ کیا ہے، یہ رسالہ مصنّف کی دقّت نظر و وسعت مطالعہ اور نکتہ رسی کی دلیل ہے ——— میری دعا ہے کہ قدیر مطلق اس رسالے کو قبول فی الخلق عطا فرمائے اور اس سے بندوں کو ہدایت دے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ——— محمد شریف الحق امجدی ۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

تحقیقات
دائرۃ البرکات
دائرۃ البرکات
اثبات ایصال ثواب
دائرۃ البرکات
تحقیقات
ناشر
دائرۃ البرکات
دائرۃ البرکات
اشرف السیر
دائرۃ البرکات
اسلام اور چاند کا سفر
دائرۃ البرکات